ماھنامہ

حکمت بالغہ

اگست2008

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

انتساب

ان مخلص باعمل اور سچے مسلمان

نوجوانوں کے نام

جو قرآن مجید کے تعلّم و تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہیں

اسلام کو IDEALOGY OF FUTURE سمجھتے ہوئے

اس کے نفاذ کے لئے عملی کوششوں میں مصروف ہیں اور مغربی فکر و فلسفہ کا رشتہ

یونانی فکر اور رومی قانون اور انداز حکمرانی سے کاٹ کر اللہ کے آخری پیغام قرآن مجید

اور حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی خلافت اور خلافت راشدہ سے

جوڑنے کا کام بھی سرانجام دینے پر کمر بستہ ہیں جس سے ہمارے تعلیمی اداروں

کالجوں یونیورسٹیوں سے وہ لاکھوں نوجوان میدان عمل میں کود پڑیں گے جو عالمی

خلافت کی راہ ہموار کریں گے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

حرف آرزو

انجینئر مختار فاروقی

اللہ ﷻ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی توفیق سے گذشتہ کئی ماہ کی سعی و جہد کے بعد ''حکمت بالغہ'' کا یہ شمارہ **حقیقت علم نمبر** کے نام سے چھپ کر تیار ہوا ہے اور قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم شامل حال نہ ہوا ہوتا تو یہ شمارہ منصّہ شہود پر آنا ممکن نہیں تھا۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نبی آخرالزماں نے فرمایا کہ'' من لم یشکر الناس لم یشکر الله ''(جو شخص لوگوں کا احسان مند نہیں ہوتا وہ کبھی اللہ ﷻ کا بھی (حقیقی) شکر ادا نہیں کرے گا۔ اس فرمان رسالت ﷺ کے مصداق اللہ تعالیٰ کے بے پایاں شکر کے بعد ان دوستوں اور احباب کا بھی احسان ہے اور شکریہ واجب ہے جنہوں نے اس شمارے کی تیاری میں کسی طرح بھی مدد کی ہے اور اس شمارے کے قائین کرام کے ہاتھوں تک پہنچانے میں ہماری معاونت اور رہنمائی کی ہے نیز اس کام کے لئے حوصلہ افزائی کی ہے۔ ''حکمت بالغہ'' کا **حقیقت علم نمبر** آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی افادیت یا عدم افادیت کا فیصلہ تو آپ کے تاثرات اور FEEDBACK سے ہی ہوگا۔ تاہم یہ بات از حد ضروری محسوس ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کہ

آپ اس شمارے کی ورق گردانی شروع کریں چند ناگزیر باتیں آپ کے سامنے رکھ دی جائیں تا کہ دوران مطالعہ آپ ادارہ حکمت بالغہ یا اس کے مدیر کے بارے میں کسی سوئے ظن میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔اور وہ گزارشات درج ذیل ہیں۔

1۔ یہ مواد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے کسی یونیورسٹی کے سینئر پروفیسر کا کوئی تحقیقی مقالہ نہیں ہے کہ اس میں آپ کو اس قسم کی باتیں نظر آئیں۔نہ یہ تحریر کسی زیر تعلیم ڈاکٹریٹ کے طالب علم کی ریسرچ کا مواد ہے جو وہ اپنے قابل اساتذہ کے زیر نگرانی کسی منتخب موضوع پر محنت شاقہ کے بعد اکٹھا کر کے پیش کرتا ہے اور ــــــــــ نہ ہی مدیر ''حکمت بالغہ'' کا زندگی میں یہ شعبہ رہا ہے۔

2۔ اس جریدے میں جو بات ہے کہ ''حقیقت علم'' کے بارے میں مدیر حکمت بالغہ کے 40 سالہ مطالعہ کا حاصل ضرور ہے۔مجھے اس موضوع سے دلچسپی رہی ہے اور زمانہ طالب علمی سے لیکر آج اس پر مطالعہ جاری رکھے ہوئے ہوں ــــــــــ پھر میری شدید خواہش ہے کہ ''حقیقت علم'' سے واقفیت کو عام کیا جانا ضروری ہے کم از کم ہمارے پروفیسر، دانشور اور قوم کی ذہن سازی کرنے والے ادارے اور ان سے متعلق افراد ضرور اسی موضوع پر سوچیں، مطالعہ کریں اور اس پر گفتگو کے ذریعے اپنی معلومات کا تبادلہ کریں تا کہ اس موضوع پر معلومات میں اضافہ ہوتا چلا جائے یہ بات اغلباً علامہ اقبال کے اس شعر کے زیر اثر ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔

خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نور بصیرت عام کر دے

آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ مغرب کے بے خدا علم اور خدا بیزار فلسفہ نے اپنی چکا چوند تہذیب کے ذریعے جو تباہی انسانی اور اخلاقی سطح پر مچا رکھی ہے اس کو جتنا ممکن ہو جس سے بھی ممکن ہو ــــــــــ جہاں جہاں ممکن ہو اور جس جس ذریعے سے ممکن ہو اس کو عام کر دیا جائے تا کہ اس علم کی تباہ کاریوں کے احساس کے نتیجے میں اپنے خسارہ اور اخلاقی بحران کا احساس عام ہوتا چلا جائے یہی ایک صدی قبل علامہ اقبال کا احساس تھا اور یہی آج بھی ضرورت ہے

3۔ اس ''حقیقت علم نمبر'' میں جو ترتیب مضامین ہے وہ راقم کے تصور کے مطابق آج کے مغربی فکر و فلسفہ کے وجود میں آنے پروان چڑھنے اور ''جادو'' کی طرح سر چڑھ کر بولنے کے مراحل کا تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ اس کی خامیوں کا اور کوتاہیوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

اس سارے عمل میں بنیادی سوچ علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی ہے جس کا تذکرہ مختلف مضامین حکمت بالغہ کے صفحات میں کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔

4۔ اسی شمارے ''حقیقت علم نمبر'' کا مخاطب میرے نزدیک ایک عام جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہے جو آج کے مصروف دور میں مغرب کی چکاچوند تہذیب کے اچھے بُرے اثرات کا تو مشاہدہ کرتا ہے تاہم نظام کی خرابیوں کی وجہ سے اسے اپنے شعبہ زندگی (ڈاکٹر، انجینئر MBA کسی شعبہ کے پروفیسر، وکیل وغیرہ) کے علاوہ مغربی علم کا کسی درجہ میں حدود اربعہ کا اندازہ نہیں ہے۔ ڈاکٹرز، انجینئرز، وکیل پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر کے آگے بڑھنے والے حضرات، تاریخ جغرافیہ، اکنامکس، نفسیات وغیرہ سے تو نابلد ہی رہتے ہیں۔ بالخصوص اکاؤنٹس کے شعبہ سے میرے ذہن میں COMMAN SENSE کا تصور یہ ہے کہ ہر انسان اپنے شعبہ کے علاوہ انٹرمیڈیٹ سطح کے تمام مضامین کی درسی کتب کا ضرور مطالعہ کرے اور کم از کم درجے سمجھنے کی کوشش کرے تا کہ اسے اپنے شعبے کے علاوہ دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ناگزیر معلومات ضرور بہم پہنچ سکیں۔

راقم نے خود بھی زندگی بھر اس بات پر عمل کرنے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیتا رہا ہے۔ اس سعی سے مجھے اخبارات و رسائل سے ہر شعبہ زندگی کے متعلق مضامین کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔

''حقیقت علم نمبر'' آج کے تعلیمیافتہ نوجوان مسلمان کو یہ احساس دلانے کے لئے ایک مختصر دستاویز ہے کہ آج ہم جس ''علم'' کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں اور بجا طور پر جس کے کنارے بڑے بڑے اہل علم کو بھی معلوم نہیں ہیں وہ ''علم'' کہاں سے نکلا تھا اور اس میں کس کس طرح سے کون کون سی گندگی شامل ہو کر اسے پراگندہ کر چکی ہے پھر آج ہمارے کرنے کا کام کیا ہے اور اس ماحول میں ہمارے دین ایمان کا تقاضا کیا ہے؟ علامہ اقبال نے بہت پہلے فرمایا تھا

؎ گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

اور مغربی انداز کی سکول کالج کی تعلیم قتل اولاد کے مترادف ہے۔

یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

5۔ میری دلی آرزو یہ ہے کہ اس شمارے کے بار بار مطالعے سے اگر ہمارے کچھ ذہین فطین نوجوان بھی اس بات کو سمجھنے کے قابل ہوسکیں کہ آج کے مغربی فکر وفلسفہ اور ''علم'' کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے؟ اور اس کے پیچھے ایک مافیا اور شیطانی گروہ (جو دراصل ابلیس پرستی کی لعنت میں گرفتار ہے) جو ''علم'' کو یرغمال بنا کر کئی صدیوں سے اپنے ناپاک مقاصد کیلئے استعمال کرتا آ رہا ہے اگر اس بنیادی حقیقت کو سمجھ لیں گے تو اس ''مصیبت'' سے نکلنے کے طریقے بھی جلد سمجھ میں آ جائیں گے حکمت بالغہ کے اس شمارے "**حقیقت علم نمبر**" میں اس بات کی وضاحت کی ایک منظّم کوشش کی گئی ہے اور اس کا مخاطب آج کا جدید تعلیم یافتہ دردمند مسلمان نوجوان ہے کاش یہ عرضداشت ایسے نوجوانوں تک پہنچ سکے جن کے نام یہ کاوش کی گئی ہے۔

وما ذالك على الله بعزيز

''اور یہ بات اللہ ﷻ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے''

6۔ اس شمارے میں سلسلہ وار مضامین کی اقساط شامل نہیں ہوسکیں جس کے لئے معذرت خواہ ہیں ان شاءاللہ اگلے شمارے میں وہ اقساط آپ کے سامنے آ سکیں گی۔

علم اور انسان

علم اور انسان کا رشتہ لازم وملزوم کا ہے اور علم کے بغیر انسان کا اور انسان کے بغیر علم کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے نوازا ہے کہ اب انسان کا وجود اور بالخصوص اس کے سینہ کو ''علم کا مخزن'' کہیں تو عین حقیقت ہے۔ ایک پڑھا لکھا اور دانا بینا انسان ــــــــــــ ایک چلتی پھرتی لائبریری(MOBILE LIBRARY) ہے۔ جس سے ہر جگہ، ہر وقت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے انداز سے ایک انسان جو علم کی حقیقت پا چکا ہے اور اس علم کے مطابق ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے اسے ''بیت العلم'' بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا علم اور انسان ایسی ناقابل تقسیم وحدت ہیں جس میں بقائمی ہوش وحواس وخرد و دل علیحدگی نہیں ہو سکتی اور ع ''قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن'' ہر بندہ مومن کو علامہ اقبال کے اس عظیم مصرعے کا ادنیٰ مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔

ع لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

حواس خمسہ اور عقل انسانی

بنیادی طور پر ہر انسان کے لئے حصولِ علم کے ذرائع یہ پانچ ہیں جو تقریباً تمام انسانوں کو عطا ہوتے ہیں اس میں کیفیت (QUALITY) اور کمیّت (QUANTITY) کا فرق ایک فطری اور کائناتی حسن تدبیر کا مظہر ہے۔ وہ حواس درج ذیل ہیں:

دیکھنا سننا چھونا سونگھنا چکھنا

ان حواس خمسہ (FIVE SENSES) کے ذریعے جو ابتدائی علم انسان کو میسر

آ تا ہے وہ منتشر معلومات، بعض متضاد احساسات اور پسندیدہ وغیر پسندیدہ مشاہدات اور تأ ثرات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس مرحلہ پر یہ غیر منظّم (RAW) شکل میں ہوتا ہے۔

ان غیر منظّم معلومات کو منظّم کرنے اور ترتیب دینے کے عمل کے لئے فاطر فطرت نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے اور اس کی خاص خوبی تعقل (INTELLECT) ہے جس عمل کے ذریعے انسان اپنے دماغ میں کئی پیچیدہ عمل طے کر کے اور مشکل مراحل سے گزر کر بڑے حیران کن مفید اور قیمتی نتائج نکال کر حصولِ علم کی نئی نئی راہیں اور شاخیں سامنے لاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال اس بچے کے عمل جیسی ہے کہ ابتدائی طور پر بچے کو حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں اور ان کی پہچان ازبر کرائی جاتی ہے بعد ازاں ان حروف سے الفاظ بنانے سکھائے جاتے ہیں اور اس سے جملے بنانے آ سان ہو جاتے ہیں اور یوں لمبی لمبی عبارتیں بنانا اور سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔

عقل کا کام حواس خمسہ سے حاصل کردہ معلومات کو جمع کر کے، جوڑ کر اور ریاضی اور ہندسہ کے کئی فطری فارمولوں اور انسانی دماغ میں ودیعت شدہ کئی پیچیدہ اصولوں کے تحت اس سے نئے نئے نتائج اخذ کرنا ہے۔ سادہ سی مثال کافی ہے کہ ریاضی میں A=B اور B=C کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالنا ممکن ہے کہ A=C۔ انسانی عقل کا کام اسی نوعیت کا کام ہے جس سے علم انسانی منظّم شکل میں آج نقطۂ عروج پر پہنچا ہوا ہے۔

نتیجے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سارا انسانی علم حواس خمسہ اور عقل انسانی کی مشترکہ مساعی کا حاصل ہے چنانچہ علوم کی آگے چل کر جتنی بھی قسمیں اور شاخیں کرتے چلے جائیں ان کا نقطۂ آغاز فاطر فطرت کی طرف سے انسان کو ودیعت کردہ ان حواس اور اس تعقل کی بے پناہ صلاحیت ہی ہے۔

چنانچہ علم الابدان یا علم الاشیاء، سائنس ہو یا فلسفہ، طبیعات ہو یا ماوراء الطبیعات، عمرانی علوم ہوں یا فلکیات، سیاروں تک رسائی کا مرحلہ ہو یا زمین کے اندر تبدیلیوں کا علم، یہ سب مرہونِ منت ہے انسان کی ان خداداد صلاحیتوں کا اور تاریخ انسانی کی مسلسل اور انتھک محنت کا۔

تجرباتی علوم کی ترقی

اقوام عالم کی ایک مشترک وراثت

انسانی تجربہ اور مشاہدہ نے تجرباتی علوم کو آگے بڑھایا ہے اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم نے اس ترقی میں حصہ لیا ہے تب جا کر یہ سلسلہ آگے چلا ہے۔ اسی طرح تاریخ انسانی میں ایک قوم اٹھی اور اس نے ترقی کی تجرباتی علوم کو آگے بڑھایا ان سے فائدہ اٹھایا تعمیرات و ترقی اور شاندار بود و باش کے ساتھ علم کی برتری کا جھنڈا لہرایا۔ تاہم علم کی اس برتری کے بعد وہ قوم ایسی دلچسپیوں میں لگ گئی جس سے اس کی آئندہ نسلوں میں ان علوم کی ترقی کا جذبہ ختم ہو گیا جس سے وہ قوم قعر مذلت میں گر کر صفحہ ہستی سے مٹ گئی یا کسی اور ابھرتی ہوئی قوم نے اس کو مفتوح بنالیا۔

اس سابقہ تجرباتی علوم کی حامل قوم کی چاہے کسی نئی ابھرتی قوم اور چاک و چوبند نسل نے مفتوح کیا یا وہ قوم خود کسی آسمانی آفت کے نتیجے میں تباہ و برباد ہو گئی ہو اس کی ترقی اور تجرباتی علوم کا سرمایہ مختلف انداز میں اگلی قوموں کو منتقل ہوتا رہا۔

مغربی یورپ میں 1492ء میں سقوط غرناطہ کے بعد وہ سارا علمی سرمایہ جو مسلمانوں کے پاس تھا پیرس، لندن ، اور برلن کی یونیورسٹیوں میں پہنچا دیا گیا مسلمان اپنے اعمال اور دلچسپیوں کے باعث غلام بنالیے گئے جبکہ ان کا علمی سرمایہ دشمنوں کے ہاتھ لگ گیا جس سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا اس کا نقشہ علامہ اقبال نے یوں کھینچا ہے ۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں ہے فطرت کے آئین مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

لہٰذا ـــــــــــــــ کہا جاسکتا ہے کہ آج کی علمی ترقی میں جہاں مغرب کا بے پناہ

حصہ ہے اس ترقی کی تاریخ صرف سولہویں صدی سے شروع ہو کر آج تک نہیں ہے بلکہ یہ تمام انسانی تاریخ میں تجرباتی علوم کی مشترک متاع اور میراث ہے جس میں سابقہ اقوام عالم کا بھی اپنے اپنے دور میں بڑا حصہ شامل ہے۔ چار ہزار سال قبل کی ایجادات اور علمی پیش رفت اور حضرت عیسیٰ کے بعد کے ہزار سال کی علمی پیش رفت سمیت ماضی کی تمام کامیابیاں بھی آج کی کامیابیوں کی طرح انسانی معراج ترقی میں ایک ایک سیڑھی جو اپنی جگہ بہت اہم ہے بلندی کی طرف اس سفر میں پہلی سیڑھی کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ آخری سیڑھی کی۔

ایک علمی حقیقت کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے

انسانی تجرباتی علوم کی پیش رفت اور اس کے مختلف شعبوں میں بے پناہ ترقی کا تذکرہ کرتے ہوئے اگر یہ خیال آپ کے دل میں آئے کہ سابقہ اقوام ماضی میں اس طرح کی ترقی کیوں نہ کرسکیں؟ اور اس قدر منظّم انداز میں علم کی خدمت کیوں نہ ہوسکی؟ اور نہ علم کو اس درجہ پھیلایا جاسکا۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ انسانی کے بارے میں ایک علمی حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے ایسا خیال آج کل بہت سے لوگوں کی ذہنوں میں ہے اور اس سے مایوسی چھلکتی ہے کہ سابقہ دور میں مسلمان دنیا پر چھائے ہوئے تھے مگر وہ کیوں ایسی ترقی نہ کرسکے جبکہ مغرب نے تجرباتی علوم اور اس سے متعلق دیگر علوم کو آگے بڑھانے کا حق ادا کر دیا ہے؟۔

یہ سوال ایک تاریخی اور علمی حقیقت کو نظر انداز کرنے کا مظہر ہے اور سطحی سوچ کا مظہر ہے اور تاریخ انسانی پر گہری نظر نہ ہونے کا نتیجہ ہے وگرنہ ـــــــــــــــ اہل علم کبھی ایسا نہیں سوچ سکتے۔ اگرچہ مسلمانوں نے خدا، رسول اور وحی پر ایمان کے نتیجے میں تھوڑے وقت میں بہت

زیادہ کام اور اپنے دور سے بہت آگے کے کام کر دکھائے تاہم وہ تاریخ انسانی کا ایک درمیانی دور تھا اور ــــــــــــ وہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں حضرت انسان کا وجود اور حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا کو آباد کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ اس کی ابتداء بالکل سادگی اور بے سروسامانی کی حالت میں ہوئی ہے اس کی مثال عام طور پر افہام وتفہیم کے لئے ایک انسانی زندگی سے دی جاتی ہے جو بہت صحیح مثال ہے۔ جب بچہ اس دنیا میں آتا ہے اور ابتدائی تین چار سال کے بعد کچھ چلنے پھرنے اور دیکھنے سننے کے قابل ہوتا تو اس کا ذہن بہت سادہ ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ بھی بڑا سطحی اور انتہائی محدود ہوتا ہے اور اس میں پیچیدگیوں پر توجہ اور ارتکاز بہت کم ہوتا ہے جبکہ عمر کے ساتھ بچپن لڑکپن سے گزر کر جب وہی بچہ جوانی میں قدم رکھتا ہے تو اس صلاحیتیں بھی جوان اور پختہ ہوچکی ہوتی ہیں۔ تاہم چالیس سال کی عمر میں اس کی صلاحیتیں اور تجربہ مل کر اس کو ایک بھرپور اور مکمل انسان بنادیتے ہیں۔ تجربات سے جہاں علم میں اضافہ ہوتا ہے وہاں انسانی سوچ اور دماغ کے کام کرنے کے انداز میں بھی گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی ہے۔

بعینہٖ ــــــــــــ یہی مثال نسل انسانی کے تجرباتی علوم کی ترقی اور اس سے استفادے کے بارے میں مختلف ادوار کی ہے اور ان کو اس طرح تقابلی انداز میں دیکھنا کم ظرفی ضرور ہے۔ بیس سال کی عمر میں کیا ہوا کام بعد میں چاہے کتنا ہی سادہ اور بے وقعت لگے مگر اس عمر کا حاصل وہی تھا اور اسی سے سبق سیکھ کر عمر کے ساتھ تجرباتی علوم نے اگلی منزلیں طے کیں ہیں۔

لہذا سابقہ اقوام عالم کی علمی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنا ان کے اپنے دور کے مطابق کمال ہی تھا لہٰذا ان کی علمی ترقی کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ جبکہ آج کا انسانی دور انسانی کی پوری سابقہ زندگی کے تجربات کے نچوڑ اور چالیس سال کے بعد کی زندگی کی طرح ہر طرح سے مکمل اور ''غلطی کرو ــــــ سیکھو'' کے مطابق اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے یقیناً یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ جو نوشتہ دیوار کی طرح نگاہوں کے سامنے رہے تو ہر چیز اپنے تناظر میں خوب صورت ہی لگتی ہے۔

تجرباتی علم اور تدریسی علم

حقیقت علم تک رسائی کے لئے پوری دنیا کے انسانوں کے تجربات اور مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ بنیادی طور پر علم دو طرح کا ہے۔

1۔ تجرباتی علم 2۔ تدریسی علم

جہاں تک پہلی قسم کے علم کا تعلق ہے کہ علم کے ایک سرچشمہ سے فیض ہر انسان کو اس دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد سے زندگی کے آخری لمحے تک خواہی نخواہی حاصل ہوتا رہتا ہے وہ ہے تجرباتی علم یا علم بالحواس۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے زندگی کے لئے ہوا بہت ضروری ہے اور سانس لینے کا عمل اس زندگی کے رشتے کو بحال رکھنے کے لئے لابدی و لازمی ہے تاہم ہمارا تجربہ ہے کہ زندگی میں زیادہ وقت ایسا گزرتا ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم سانس لے رہے ہیں اور اس عمل کے لئے ہمیں اکثر کوئی تگ و دو یا EFFORT نہیں کرنا پڑتی۔ اسی طرح اس دنیا میں آتے ہی اپنے حواس کے ذریعے ہم علم کے حصول میں مصروف ہو جاتے ہیں اور تادم واپسیں اس عمل میں کسی وقفے اور آرام کے بغیر مگن رہتے ہیں۔

علم بالحواس کے حصول کی مثال بارش کی ہلکی ہلکی پھوار (DRIZZLING) کی دی جا سکتی ہے کہ ایسا پانی زمین میں جذب ہوتا رہتا ہے اور بہہ کر ضائع نہیں ہوتا اسی طرح ہر وقت اور ہر لحظہ (جیسے سردی، گرمی کا احساس، خوشبو اور بدبو کا احساس وغیرہ) تجرباتی علم ہمارے مادی وجود میں جذب ہو کر دل میں محفوظ (SAVE) ہوتا رہتا ہے۔

جبکہ تمام انسانوں کی سطح پر علم کا دوسرا سرچشمہ تدریسی علم ہے یہ علم کی قسم از خود حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کیلئے کسی ''صاحب علم'' کے پاس جا کر اس سے اس کی تحصیل کرنا ہوتی ہے اور یہ

علم تدریس(TEACHING) کے ذریعے حاصل ہوتا ہے چنانچہ جتنا علم حواس اور تجربات سے حاصل شدہ انسانوں کے پاس جمع ہوتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ باپ بیٹوں (اولاد) کو، استاد شاگردوں کو، پیر، مریدوں کو تجربہ کار انسان نوجوانوں اور بے علم لوگوں کو ہر لحظہ منتقل کرتا رہتا ہے۔

علم کی اس شاخ میں باپ کو (یا استاد کو) ایک مبتدی انسان کسی کام کو کرتے ہوئے دیکھ کر ''علم حاصل'' کرلیتا ہے کہ یہ کام یوں کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ شاگرد بننا ضروری نہیں ہوتا۔

تجرباتی اور تدریسی علم مل کر ہی ''علم کا ایک خزانہ'' قرار پاتے ہیں جو ساری دنیا کے انسانوں کا مشترک سرمایہ ہے۔ اگرچہ بعض اقوام اور بالادست قوتیں اس علم پر قابض ہو کر کمزور اقوام کو لوٹنے کے بہت سارے ذرائع اختیار کرلیتی ہیں تاہم ظلم اور ناانصافی کہیں بھی ہو جائز اور پسندیدہ نہیں ہوسکتی۔

تجرباتی علوم ــــــــــ ایک حقیقت

انسان کو اللہ ﷻ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور انسان اپنے ماحول کی چیزوں کے مشاہدے، تجربے اور اس کے استعمال سے کئی نتائج نکال کر ایجادات کرتا جارہا ہے اور ان تجرباتی علوم کو اوج ثریا تک پہنچادیا ہے۔ ع عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

تجربہ یا EXPERIENCE ہر ذی شعور انسان کو ہوتا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ دونوں کو جمع کر کے انسان مختلف چیزوں مرئی (VISIBLE) اور غیر مرئی (INVISIBLE) کے نام رکھتا چلا جاتا ہے اور ان کی درجہ بندی کرتا ہے۔ اصطلاحات وضع کرتا ہے، نئے نئے نام اور چیزوں

کی دریافت سے علم کو آگے بڑھاتا ہے اسے قرآن مجید میں ''علم الاشیاء'' کہا گیا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو انسان کو بحیثیت انسان (مسلم غیر مسلم) سب کو اپنی اپنی محنت کے مطابق میسر آ سکتا ہے۔
انسانی تاریخ میں تجرباتی علوم کو پہلے دو حصوں میں تقسیم کر کے سمجھا گیا ہے۔

تجرباتی علم

توہماتی علم	مادی چیزوں کا علم
OCCULT SCIENCE	(MATERIAL SCIENCES)

توہماتی علم بھی بعض انسانوں کے تجربات اور ریاضتوں اور محنتوں سے حاصل کردہ علم ہے اور کہنے کو تو اسے ایک SCIENCE کا نام دیا گیا ہے۔ مگر تجرباتی علم کی یہ شاخ زیادہ تر برگ و بار سے محروم ہی رہی اور خفیہ اور زیر زمین سرگرمیوں کے ماہرین اور ''نظر کا دھوکہ'' قسم کے کرتب دکھا کر اس علم کو فن کا نام دیا گیا۔ تاہم اس علم کی محدودیت ہی دلیل ہے کہ اس کا حصول اور پھیلاؤ دیگر مادی علوم (MATERIAL SCIENCES) کی طرح عام نہیں ہو سکا اور نہ ہر شخص کی اس تک رسائی ممکن ہے۔

مادی چیزوں کا علم (MATERIAL SCIENCES)

مادہ (MATTER) چونکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور ہر ذی شعور اور ذی عقل انسان کے تجربے میں ہر روز بے شمار مادی اشیاء آتی ہیں لہٰذا اس شعبے میں وقت کے ساتھ ساتھ انسان نے جو ترقی کی ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ عام انسان (COMMAN MAN) کے تصور سے بھی بہت بالاتر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جسے قرآن مجید ''روح اور جسد'' کے ساتھ وجود میں آنے والا پہلا انسان کہتا ہے ان کا زمانہ آج سے نو یا دس ہزار سال سے زیادہ قدیم نہیں ہے (بعض اہل علم اور فلاسفہ کے نزدیک انسان نما ''حیوان'' ممکن ہے کہ بہت پہلے سے دنیا میں رونما ہو چکا ہو۔ تاہم روح انسانی سے سرفراز ہو کر مسجود ملائک بننے والا ''آدم'' علیہ السلام صرف دس ہزار سال پرانا واقعہ ہے)

ابتدائی تاریخ میں تجرباتی علوم کے اظہار اور تعلیم کی رفتار بہت سست تھی اور وقفے وقفے سے کچھ تہذیبیں اٹھیں جنہوں نے حیرت انگیز کمالات کر دکھائے اور انسانی علم میں اضافہ کیا۔قوم عاد کے ارم کی تعمیرات اور یادگاریں بابل کے معلّق باغ،فرعونوں کے اہرام وغیرہ ماضی کے آئینے میں مادی ترقی کی حیران کن تصویریں ہیں۔اس دور میں تجرباتی علوم کی ترقی اس لئے سست رہی کہ قلیل تعداد میں باصلاحیت لوگوں کے علاوہ عوام کی اکثریت توہمات کی دنیا میں کھوئی رہتی تھی اور اہل اقتدار طبقے نے اپنی عظمت کو دوام بخشنے کے لئے ایک طرف خدائی کے دعوے کر دیئے تو دوسری طرف عوام ہیں بت پرستی کو رواج دیا۔اور دیوی، دیوتاؤں کی من گھڑت کہانیوں اور بھول بھلیوں میں عوام کو دھکیل دیا تا کہ وہ جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کر کے اہل اقتدار کے لئے بہترین ''خدمت گاری'' کرتے رہیں۔

مادی چیزوں کے علم کی کوکھ سے وقت کے ساتھ عمرانی علوم (SOCIAL SCIENCES) اور طبعی علوم (PHYSICAL SCIENCES) نے جنم لیا اور یوں انسان نے محنت کرنے ان علوم کو جانچنے، پرکھنے اور بار بار دہرا کر ایک جیسے نتائج نکالنے کا یقین حاصل کر کے ان علوم کو منظّم (SCIENTIFIC) انداز میں آگے بڑھانے کی راہ اپنالی۔

جہاں تک عمرانی علوم کا تعلق ہے یعنی پولیٹکل سائنس، اقتصادیات، معاشیات وغیرہ تو اس میں چونکہ کسی ایک ملک اور علاقہ میں تہذیب وتمدن کا ابھرنا، پھلنا پھولنا، پروان چڑھنا اور پھر بعض انسانی فطری کمزوریوں کے باعث بے راہ روی کا شکار ہو کر زوال پذیر ہونا ــــــــــ ایک طویل عرصہ کا متقاضی ہے اور تاریخی طور پر اس میں کئی صدیاں لگتی رہی ہیں لہٰذا ــــــــــ اس شعبہ میں ترقی بہت سست روی کا شکار رہی تا آنکہ گزشتہ دو تین صدیوں میں یک لخت بے پناہ پیش رفت ہوگئی اور اب یہ علوم بھی آگے بڑھ کر کئی شعبوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور باقاعدہ SOCIAL SCIENCES کے طور پر پہنچانے جاتے ہیں۔

تجرباتی علوم

SCIENCES

توہماتی سائنس	مادی سائنس (علم الاشیاء)
OCCULT SCIENCES	(MATERIAL SCIENCES
طبعی سائنس	عمرانی علوم
PHYSICAL SCIENCES	SOCIAL SCIENCES

اب آئندہ ہم طبعی سائنس اور سوشل سائنسز پر گفتگو کریں گے۔

تجرباتی علوم اور عقل

حواس خمسہ کے ذریعے حاصل شدہ علیحدہ علیحدہ معلومات پر عقل انسانی کے ذریعے غور و فکر اور درجہ بندی سے تجرباتی علوم میں باقاعدہ ایک منظّم انداز میں پیش رفت کا آغاز ہوا اور اس نے بڑھتے بڑھتے ایک ہمہ گیر طوفان کی شکل اختیار کر لی تا آنکہ اس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس عمل کا پہلا مرحلہ تدریسی علم ہے جو گزشتہ صفحات میں زیر بحث آ چکا ہے ان سطور میں تجرباتی علوم پر تعقل کے اثرات کے اگلے مراحل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

دوسرا مرحلہ اس مرحلہ میں مختلف معلومات کو شعبہ جات میں تقسیم کر کے درجہ بندی کرنا ہے

اور اس طرح مختلف موضوعات پر کتب کی تصنیف کا دور شروع ہوتا ہے اسی مرحلہ سے ذاتی اور انفرادی حواس سے کام لے کر معلومات و مشاہدات سے بات بڑھ کر اجتماعی کوششوں اور سرکاری و غیر سرکاری سطح پر تحقیقی مراکز اور ریسرچ سنٹر (RESERCH CENTERS) کا قیام ہے اس تحقیق کو مزید آگے بڑھانے کیلئے معاونین اور اہل افراد کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا تجرباتی علوم کی ان تیار کردہ کتب کی تدریس اور EDUCATION کا کام شروع ہوتا ہے اور اس طرح کثیر تعداد میں لوگ اس کام میں منسلک ہو جاتے ہیں اگرچہ اس طرح ان کی شمولیت میں شوق کا عنصر کم ہوتا ہے جبکہ PROFESSIONALISM کا پہلو زیادہ ہوتا ہے اس طرح جب بہت سارے ذہن ملکر مشاہدات و تاثرات جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں تو ''علم'' کے حصول اور نئے نئے گوشوں اور شعبوں میں کام کرنے کے افراد میسر آتے چلے جاتے ہیں اور تجرباتی علوم سائنسی انداز میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔

آج سے 2000 سال پہلے یونان بھی انہی خطوط پر کام کر رہا تھا اور 1200 سال پہلے عباسی دور میں مسلمان بغداد میں اور پھر سپین میں مسلم سائنسدان اسی انداز میں کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کے علمی سفر میں اس سارے سائنسی عمل کیلئے معاونت کے لئے تنخواہ اور ملازمت تو تھی جلب زر اور دوسروں کے استحصال کا عنصر شامل نہیں ہوا تھا۔

1258ء میں عباسیوں کے زوال اور 1492ء میں سپین میں عیسائی یورپ کی طرف سے مسلمانوں کی نسل کشی کے بعد جب یورپ میں علم و ہنر کا موجودہ دور شروع ہوا ہے اور غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر کے لوٹنے والے اہل علم میدان میں آئے ہیں تو ابتداً یورپ میں بھی اس مرحلہ تک علم کی بے لوث خدمت ہوتی رہی۔

مگر جلد ہی ——— حالات کے دباؤ یا کسی خفیہ گروہ کی خاص منصوبہ بندی کے تحت آگے کے مراحل میں آہستہ آہستہ علم برائے تجارت یا علم برائے منافع خوری یا علم برائے استحصال کا تاثر زیادہ نمایاں ہوتا چلا گیا۔

تیسرا مرحلہ

اطلاقی سائنس کی طرف پیش قدمی

(TOWARDS APPLIED SCIENCES)

انسانی تجرباتی علوم کی تحصیل کے فطری اندرونی داعیہ کے تحت اور زیادہ مخصوص حالات میں ایک گروہ کی کوششوں سے اس مرحلہ کا آغاز ہوا اور بہت تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

یہ مرحلہ ــــــــــــ تجرباتی علوم کی تدریس اور EDUCATOIN کے مرحلہ کے بعد اطلاقی سائنسی علوم یا APPLIED MATERAL SCIENCES کے رائج ہونے کا مرحلہ ہے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں علم کے ہر شعبہ میں خالص علمی تحقیقی اور نشوونما کے قدرتی ماحول کے اندر تجرباتی علوم سے ''عملی طور پر'' استفادہ کے پہلو نمایاں کرنے کا عمل سامنے آ گیا اور یوں ہر شعبے میں تحقیق سے استفادہ کر کے عوام کے لئے نئی نئی چیزیں' ہر کام کو کرنے کے لئے نئے انداز سامنے لانے کا مرحلہ شروع ہو گیا۔

اسی دور میں اطلاقی طبیعات (APPLIED PHYSICS) اور اطلاقی کیمسٹری (APLLIED CHEMISTRY) کی طرح کئی شعبے سامنے آئے اور اس طرح انسانی طرز بود و باش، رہن سہن، وسائل سفر، کھانے پکانے کے طریقے اور مختلف چیزوں کو محفوظ کرنے کے طریقے، دن بدن عام ہوتے چلے گئے اور اس کے نتیجے میں عوامی سطح پر عام استعمال کی اشیاء (CONSUMER PRODUCTS) کا ایک سیلاب آ گیا۔(اگرچہ آج سے دوصدی پہلے یہ سیلاب آج کے دور کے مقابلے میں بہت کم تھا مگر سابقہ ادوار کے مقابلے میں یقیناً حیران کن تھا)

چوتھا مرحلہ

ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کا فروغ

اطلاقی سائنسز کی طرف تجرباتی علم کی پیش قدمی سے تجارتی نوعیت کی اشیاء کی صنعت اور اس کے فروغ کے شعبے میں انقلاب آ گیا۔ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کا دور شروع ہوا اور ہاتھ سے کام کرنے کے سست رفتار دور سے انسان ''مشینی'' اور ''تیز رفتار'' دور میں داخل ہو گیا۔

یہی وہ تاریخی مرحلہ ہے کہ ایک خاص طبقے نے تجرباتی علوم بالفاظ دیگر ''علوم'' کو

یرغمال بنالیا۔ مادی سائنس کا فروغ ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کی ہر پیش رفت کا مطلب ایک خاص طبقے کا دوسرے ''علم سے محروم طبقات'' کا استحصال ہی تھا۔ ابتداء میں یہ استحصال بڑا بے ضرر اور غیر محسوس انداز میں تھا بلکہ بڑا سہانا اور خوشگوار لگتا تھا مگر انیسویں صدی کے وسط تک ''علم برائے استحصال'' کا خوفناک جن (GHOST) اسقدر چھا گیا ــــــــــــ کہ انسانیت اور انسانی اقدار کا دم گھٹنے لگا۔ اور شگاگو (امریکہ) کے ہولناک واقعات پیش آ گئے۔ جس کی یاد آج بھی یکم مئی کو منائی جاتی ہے۔

علم کے ہتھیار سے لیس یہ مغربی اقوام اس صنعتی ترقی کے پیش نظر اپنے اپنے ملکوں سے باہر نکلیں تو کمزور اقوام ان کے آگے ریت کے گھروندے ثابت ہوئے اور ملکوں کے ملک ان کے زیر نگیں آتے چلے گئے۔ جس منظر نامے کا علامہ اقبال نے جواب شکوہ میں یوں تذکرہ کیا۔

عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحراء نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے
ملت ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

ابتدائی مرحلہ میں چند ملکوں پر قبضے کے بعد سیاسی غلبہ، عسکری غلبہ اور استحصالی سوچ نے پورپی اقوام کو ایسا طاقتور بنا دیا کہ کرۂ ارضی کے باقی اقوام ان کی باجگذار، محکوم اور غلام ہوتی چلی گئیں مغربی اقوام ابتدائی طور پر تاجرانہ انداز میں اور صنعتی انقلاب کے نتیجے میں کارخانوں میں میکانکی طور پر بے پناہ تیار کردہ مال (FINISHED PRODUCT) کو فروخت کرنے کے لئے منڈیاں تلاش کرنے نکلی تھیں مگر جلدی ہی وہ اپنی سیاسی، عسکری اور سائنسی قوت کے زور پر دنیا کے تمام آباد علاقوں پر قابض ہو گئیں اور انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں یورپی اقوام دنیا کے تمام علاقوں پر قابض ہو چکی تھیں۔

یہ نتیجہ تھا ــــــــــــ ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کے فروغ کا جس سے استحصالی

طبقے کے ہاتھ میں صنعتی انقلاب کے ذریعے بے پناہ وسائل آئے اور اس نے ان بے پناہ وسائل کو مزید استحصال کے لئے استعمال کر کے انسان اور انسانی اقدار کے لئے ایک کینسر (CANCER) کی شکل اختیار کر لی کہ دن بدن یہ اقوام اس استحصال کے ذریعے مغربی اقوام کے چنگل میں اور زیادہ پھنستی چلی جا رہی تھیں اس کے لئے کسی خاص مخصوص تگ ودو کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

پانچواں مرحلہ
ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قیام

اس وقت تک اس استحصالی طبقہ کا وجود تو تھا اور وہ کینسر کی طرح بڑھ بھی رہا تھا مگر وہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیگر بڑے تجارتی اداروں کی طرح زیادہ تر سرکاری اور حکومتی کنٹرول میں تھا۔ اور اس میں کچھ عوام کی بہبود اور فلاح کے کاموں پر بھی خرچ ہوتا ہے اور چاہے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کام کرتے تھے مگر عوام کی فلاح و بہبود کا عنصر بھی نمایاں رہتا تھا۔

جیسے برطانوی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کئی کمپنیوں کے نام سے ریلوے کا نظام پھیلا دیا تاہم اس میں عوام کو اپنے فلاح و بہبود کا یہ پہلو نظر آیا کہ ان کا سفر آسان اور عام ہو گیا اور ہزاروں میل کا سفر بھی ایک منظّم انداز میں کرنے کا امکان ہر شخص کے لئے میسر تھا۔ اگرچہ برطانیہ کے نزدیک ریلوے کا نظام پورے ہندوستان میں دشمنوں کو کچلنے اور بغاوتوں کو جلد از جلد دبانے کے لئے ''فوج'' کے ہر وقت اور فوری طور پر پہنچانے کے جذبے سے تھا اصلاً ان کا یہی مقصد تھا اور انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا۔

اس مرحلہ پر میں پرائیویٹ سیکٹر میں ایسی بڑی بڑی کمپنیاں وجود میں آئیں اور انہوں نے اپنے کاروبار اور مستقبل کے امکانات کی اس انداز میں منصوبہ بندی کی کہ ایک MASTER MIND اور کسی ''خفیہ تنظیم'' کے بغیر شاید ممکن ہی نہیں چنانچہ 500 کے قریب ایسی کمپنیاں رفتہ رفتہ 1900 کے لگ بھگ وجود میں آ چکی تھی جو FORTUNE COMPANIES کہلاتی ہیں کہ جنہیں کبھی نقصان (LOSS) نہیں ہوتا ہے چنانچہ آج جتنی ملٹی نیشنلز عالمی سطح پر نمایاں ہیں ان میں سے بیشتر اسی دور کی پیداوار ہیں۔

چھٹا مرحلہ

ہیوی انڈسٹریز کا قیام (HEAVY INDUSTRIES)

ملٹی نیشلز کے قیام کے بعد ان کے کاروبار میں مسلسل ترقی لانے کے لئے اور ان کے لئے نئے نئے شعبہ جات میں پیش رفت کے لئے انڈسٹریز کے قیام کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ چنانچہ ایک ہی چیز کے عوامی سطح پر استعمال کے آئیٹم سے لے کر اس کام کی فیکٹری کے قیام کے لئے فیکٹری کی ہیوی مشینری کی تیاری کے لئے ہیوی انڈسٹریز کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

کسی جگہ کپاس کی کثرت کے پیش نظر آ گر کاٹن جینگ فیکٹری یا ٹیکسٹائل ملز لگائی گئی۔ تو ــــــــــ چونکہ مغربی اقوام عالمی سطح پر غالب آ چکی تھیں لہٰذا جگہ جگہ ٹیکسٹائل ملز کے قیام کے لئے ٹیکسٹائل ہیوی انڈسٹری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

اور اس لئے سوئی سے لیکر ہوئی جہاز تک، ہاتھ کی سلائی مشین سے لیکر شٹل لیس ویونگ مشینرنگ کے بنانے کیلئے کارخانے لگانے کا کام بھی بڑے زور وشور سے ہونے لگا اس کیلئے سود کا فروغ اور انشورنس (جواء) کو بھی بڑی مہارت سے استعمال کیا گیا اور منافع کا ایک حصہ انڈسٹری کے قیام اور چلنے سے پہلے ہی ایک تیسرے طبقے یا خفیہ ہاتھوں میں پہنچانے کا عمل شروع ہو گیا۔

اس سارے عمل میں عوام کو استعمال کی ان چیزوں سے آ گاہی کے لئے ماضی کے مقابلے میں تجرباتی علوم کو ایک نئے انداز میں استعمال کر کے پہلے اخبارات میں، پھر سینما اور ریڈیو میں کمرشلز کا دور آیا اس کے ساتھ ہی سینما کے لئے انسانوں (فنکاروں اور اداکاروں) کی ضرورت پیش آئی اور گلوکاروں، فنکاروں، ڈانسرز، اور ماڈلز کا تصور سامنے آ گیا جس کو استعمال کر کے عوام کو نئی نئی چیزوں کے خریدنے پر ابھارا گیا۔ ٹی وی اور کلر ٹی وی نے تو حد کر دی اب CABLE اور سائن بورڈ کے حد درجہ جاذب نظر اشتہارات اور کمپیوٹر کے استعمالات نے اشتہار بازی کے فن کو بھی استحصالی طبقہ کی مدد کرنے والے فنون میں سب سے اعلیٰ مقام دے دیا ہے۔

یہ چھ مرحلے ہم نے ایک منطقی ترتیب سے درج کر دیئے ہیں تاہم ہر ملک اور ہر جگہ پر یہ مراحل اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہونا ضروری نہیں کہیں کوئی مرحلہ پہلے اور کہیں ایک مرحلہ سامنے آئے بغیر اگلا مرحلہ بھی سامنے آ سکتا ہے تاہم مجموعی طور یہی وہ مراحل تھے جن سے گزر کر

آج سے چار صدیاں قبل یورپ میں شروع والے تجرباتی علوم کے سفر نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی ہے اور آج محسوس ہو رہا ہے کہ اس نے انسان کی خدمت کم اور استحصال زیادہ کیا ہے اور آج کا انسان ایک چلتا پھرتا اشتہار بن گیا۔ جس کی TROUSER، ٹی شرٹ UNDRWEAR، P-CAP غرض ہر چیز پر کسی نہ کسی چیز کا اشتہار ہوتا ہے اور اس کمرشلزم اور اشتہار بازی کی وجہ سے انسان متاثر ہو کر ان ملٹی نیشلز کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اور اسی میڈیا کے ذریعے وہ کسی چیز کو عوام کی نگاہوں میں اہم اور دوسری اہم چیز کو فضول اور ناکارہ ثابت کر کے دکھانے میں کامیاب ہیں اور ضمنی طور پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں بھی یہی میڈیا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

حیرت ہے کہ تجرباتی علوم کے فروغ کے ان مراحل میں اور اس دوران عقل کے استعمال سے چار صدیوں میں انسانیت کے لئے ایسی ہولناک اور تباہ کن صورت کیسے پیدا ہو گئی۔ اب وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ ساری کائنات از خود پیدا ہو گئی ہے اور خود بخود ہی چل رہی ہے وہ شاید اس پر حیران نہ ہوں اور کسی خفیہ ہاتھ اور MAFIA کے وجود کو ضروری نہ سمجھیں ورنہ ہر ذی شعور انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اس سارے علمی، تحقیقی اور تجرباتی علوم کے فروغ کے سفر کو کسی نے ہائی جیک (HI-JACK) کیا ہے اور یرغمال بنا کر اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور مسلسل استعمال کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مادی سائنس

(MATERAL SCIENCES)

مادی سائنس کے عنوان میں اگرچہ ان ساری ہی مادی چیزوں کا علم آ جاتا ہے جو مادی وجود رکھتی ہیں تاہم جسے عرف عام میں علم الابدان کہتے ہیں اور جسے ماضی میں صرف ''انسانی بدن'' سے متعلق معلومات اور حکمت اور میڈیکل کے شعبے تک محدود سمجھا جاتا رہا ــــــــــــ ماضی کا یہ علم الابدان بھی لازماً اسی مادی سائنس کے تحت ہی آتا ہے اور اس مادی سائنس یا میٹریل سائنس میں آج انسانی طرز عمل (BEHAVIOR)، رویہ طرز بود و باش، مل جل کر رہنے کے اصول،

طریقے، اجتماعی زندگی کے ضابطے، کاروبار اور انسانی ضرورت سے متعلق ہر ضروری چیز بلکہ انسانی جذبات واحساسات کے تمام متعلقات کا علم بھی اسی عنوان میں رقم کیا جا سکتا ہے۔

بنابریں ــــــــــــ مادی سائنس میں ایک مادی اشیاء کی خصوصیات شامل ہوں گی جس میں جاندار اور غیر جاندار مادہ شامل ہے غیر جاندار اجسام میں ایک ایٹم سے لے کر مریخ سورج اور اس سے بھی بڑے اجرام فلکی کا علم شامل ہے جبکہ جاندار اجسام میں جرثومہ سے تمام حیوانات اور جسم انسانی کا علم محیط ہے

آج کے دور (2008ء) تک سائنس نے جتنی ترقی کی ہے اور ابھی یہ عمل جاری ہے اس کا احاطہ کسی ایک انسان کے لئے واقعی ناممکن ہے، بلکہ آج ایک انسانی زندگی میں انسان صرف کسی ایک بڑے شعبۂ زندگی کے کسی ایک چھوٹے سے گوشے کا بھی پورا علم حاصل کر لے تو اس کا کمال ہے مثلاً جسم انسانی سے متعلق صرف سرجری جیسے شعبے میں صرف دانتوں کے بارے میں بھی اس کے پاس جدید ترین معلومات ہوں اور وہ مسلسل اس شعبے کی تحقیق پر نظر رکھے ہوئے ہو تو یہ بھی ایک کمال ہے کجا یہ کہ انسان اسی سرجری کے شعبے میں ہی جسم کے کسی دوسرے حصہ کے بارے کوئی رائے دینے کے قابل ہو ممکن ہی نہیں ہے۔

ذیل میں ہم زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جدید ترقی کی کیفیت پر طائرانہ نظر سے مختصر تبصرے شائع کر رہے ہیں جس سے قارئین کو اندازہ ہو سکے گا آج انسان کا مجموعی علم اور

تجسس کا جذبہ کس حد تک بلند پرواز کر کے انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے کہ اس کا ادراک بھی ــــــــــــ ایک حیران کن اور ششدر کرنے والی شے ہے۔

آج کے دور میں تجرباتی علوم کے شعبے بہت وسعت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ وسعت اور ترقی ماضی کے تسلسل ہی میں ہے اور اس طرح ہی ممکن ہوئی ہے اس ترقی کے پیچھے قریباً 9 ہزار سال کی تاریخ ہے تاہم زمانہ قبل از مسیح علیہ السلام میں یہ ترقی بہت سست رفتار تھی جو زمانہ اور از مسیح علیہ السلام میں قدرے تیز ہوئی اور حالیہ عشروں میں تو نہایت برق رفتاری سے رواں دواں ہے۔

یہ تاثر عام ہے کہ جیسی ترقی آج انسان نے مغرب کے زیر افکار کر لی ہے اس کی کوئی

ادنیٰ مثال بھی ماضی میں نہیں ہے یہ بات بدیہی طور رپ خلاف حقیقت ہے اس لئے کہ موجودہ تیز رفتار ترقی اسی ماضی کی محنت اور جانفشانی کی مرہون منت ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی یا نسل کسی چیز پر مسلسل محنت کرتی ہے مگر نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کوئی قابل ذکر اور قابل عمل پیش رفت اگلی نسل کے حصے میں آتی ہے۔

آج کے یورپی اقوام کے عروج سے تقریباً چھ صدیاں پہلے مسلمان دنیا کے شرق و غرب پر پھیلے اپنی ترقی اور ثقافت کے پھریرے آڑا رہے تھے۔ یہ زمانہ آٹھویں صدی عیسوی سے 14ویں صدی عیسوی تک ہے جبکہ یورپ میں ''علمی اندھیرا'' تھا وہ صدیاں DARK AGES کہلاتی ہیں۔ یہ علمی اندھیرا صرف مسیحی یورپ کے لئے تھا ورنہ یورپ کا وہ حصہ جو مسلم سپین کہلاتا تھا وہ علم کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔۔

اہم اور تاریخی ایجادات کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر کے لئے ہم آئندہ صفحات میں ایک گوشوارہ دے رہے ہیں جس سے کچھ تقابلی جائزہ میں مدد ملے گی۔

تجرباتی علوم کا ماحصل

انسانی سہولتوں میں اضافہ، ایجادات کا سیلاب

موجودہ دور میں تجرباتی علوم نے جہاں تک عروج حاصل کرلیا ہے وہ صرف گزشتہ چھ صدیوں کا حاصل نہیں ہے بلکہ تجرباتی علوم کا آغاز تو صدیوں قبل انسان کے اس دنیا میں آباد ہونے کے ساتھ ہی ہوا تھا اور قدم بقدم آہستہ آہستہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ہم یہاں وکی پیڈیا________ فری انسائیکلو پیڈیا سے کچھ معلومات قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کررہے ہیں اس انسائیکلو پیڈیا کے مرتبین نے اہم اور تاریخی ایجادات کو تاریخی ترتیب دی ہے اور آغاز سے آج تک کل 1076 اہم تاریخی ایجادات کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذرا گہرائی میں جائیں تو ابتداء سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً دس ہزار میں کل 161 ایجادات ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پہلی سات صدیوں میں کل 38 ایجادات ہیں۔ جبکہ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر 14 ویں صدی عیسوی تک 454 ایجادات ہیں اور پندرویں صدی عیسوی سے 1980 تک کل 443 ایجادات ہیں

مسلمانوں کے عہد عروج میں عباسی دور حکومت (756ء۔1285ء) آٹھویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک ہے۔ اور دور بنوامیّہ سپین (ہسپانیہ یا اندلس) میں آٹھویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی عیسوی تک ہے۔ اس دور میں آٹھویں صدی سے چودھویں صدی عیسوی تک کل 454 ایجادات ہیں جن میں بہت کم حصہ غیر مسلموں کا ہے یعنی یہ ایجادات چین اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں ہوئی ہیں جبکہ زیادہ ایجادات مسلمانوں نے کی ہیں

یہ حقائق اس عام تاثر کے یکسر خلاف ہیں کہ مسلمانوں کے دور عروج میں سائنسی ترقی ایسی نہیں تھی۔ 400 کے لگ بھگ ایجادات بہت بڑا کارنامہ ہے اور وہ بھی مغرب خود تسلیم کر رہا ہے جن موجودہ چھ صدیوں میں 423 ایجادات ہیں اوپر درج معلومات اور مسلمانوں کے دور عروج یعنی 701ء سے لے کر 1400ء کی ایجادات کی فہرست وکی پیڈیا فری انسائیکلوپیڈیا سے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کا دور عروج

(مشرق وسطیٰ (756-1258ء سپین 711-1492ء)

علم اور مقصدیت

(علم اور عشق الٰھی)

''کتاب'' علم کی علامت ہے ایسا طالب علم جو علم برائے علم یا علم برائے تفریح یا علم برائے حصولِ زر کا متلاشی ہے کتاب سے بظاہر استفادہ کرنے کے بعد بھی تشنۂ لب رہتا ہے اور جذبہ عمل اور سوز و ساز زندگی سے محروم ــــــــــــ پروانہ زندگی کی تپش اور عشق کے لئے ہمہ

تن سپردگی کی علامت ہے پروانوں جیسے جذبے کے لئے علم کے ساتھ ایک بالکل مختلف قسم کی وارفتگی کی ضرورت ہے چنانچہ علامہ اقبال نے ''کرم کتابی'' اور پروانہ کا ایک مکالمہ لکھا ہے۔

شنیدم شبے در کتب خانہ من — بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
با وراق سینا نشیمن گرفتم — بسے دیدہ ام نسخہ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمت زندگی را — ہمہ تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے — کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را — تپش می دہد بال و پر زندگی را

ترجمہ:۔''میں نے ایک رات اپنے کتب خانہ میں کتاب خورد یمک اور پروانہ کی یہ گفتگو سنی کہ دیمک پروانے سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے ابن سینا کی کتابیں بھی ہضم کر لی ہیں اور فارابی کے نسخۂ علم وحکمت بھی چٹ کر لیا ہے مگر زندگی کی حکمت سے ابھی عاری ہوں اور میری صبح وشام روشنی سے محروم ہیں ۔پروانہ نیم سوز نے کہا کہ (دوست) یہ نکتہ کتابوں میں نہیں ملتا۔تپش (عشق) زندگی کو زندہ کرتی ہے اور تپش سے ہی زندگی نشوونما پاتی ہے''۔

سوشل سائنسز کی تشکیل اور ترقی

تجرباتی علوم کے ساتھ عقل کے امتزاج سے یہ علم مختلف مدارج سے گزرتا ہوا اطلاقی سائنس کا آغاز، ایجادات واختراعات کی دوڑ اور ہیوی انڈسٹریز کے دور میں داخل ہوا تو اس سے یورپ میں ایک داخلی احساس پیدا ہوا کہ اس ترقی کو برقرار رکھنا ہے تو گردوپیش میں اپنے تیار کردہ مال کیلئے منڈیوں اور وسائل کی تلاش ضروری ہے۔اور یوں بظاہر تاجرانہ انداز سے گھروں سے

نکلنے والے یورپی لوگ جب اپنے اہداف پر پہنچے تو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ترقی، مادی برتری اور گھروں سے دور ہونے کے حوالے سے جرأت و بہادری کے جوہر دکھا کر دنیا میں کمزور اقوام پر قابض ہوتے چلے گئے اور اٹھارویں صدی کے اختتام تک یورپی اقوام دنیا بھر کے تمام براعظموں اور تمام معلوم جزیروں سمیت کرۂ ارض پر تمام خشکی و تری پر ــــــــــــ ہر جگہ قابض ہو چکی تھیں۔

اس تجربے سے جو نتائج نکلے اور فوائد حاصل ہوئے اس کو سمیٹنے کے لئے جو مستقل انتظامات یورپ کے عالی دماغ لوگوں نے کیے وہ درج ذیل ہیں۔

پہلا مرحلہ

☆ تمام مقبوضات کی جغرافیائی حد بندی طول بلد اور عرض بلد کے مطابق ہر معلوم علاقے کے نقشہ جات کی تیاری ــــــــــــ اور وہاں تک رسائی کے راستے ــــــــــــ مزید برآں تمام خالی اور بے آباد علاقوں پر مقامی لوگوں سے لڑائی کر کے قبضہ کرنے کا رجحان پروان چڑھ گیا۔

☆ مقامی لوگ چونکہ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھے لہٰذا زیادہ مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے تھے اور نہ ترقی سے آشنا تھے لہٰذا ان کو محدود کرنے، ان کے وسائل پر قبضہ کرنے اور ان کے استحصال کرنے کے نئے طریقے نکالنے اور مستقبل کی مستقل منصوبہ بندی کے طور پر ہر قوم کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کا عمل شروع کیا گیا۔

(یہ کام بھی کوئی سادہ اور صرف سائنسی علوم کی ترقی کا داخلی داعیہ نہ تھا۔ بلکہ فطری بات ہوتی تو ان مقامی اقوام اور افراد نسل انسانی کو بھی شریک کرتے ان کو بھی استفادے کا موقع دیا جاتا تاکہ وہ بھی ترقی کے فوائد سے حصہ پا سکیں بلکہ یہ عمل کسی مافیا (MAFIA) اور منصوبہ ساز ذہن (MASTER MIND) کی طرف اشارہ کرتا ہے جس نے اس ــــــــــــ ساری محنت کا رخ خاص انداز میں مستقبل میں ــــــــــــ محکوم و مفتوح اقوام کا استحصال کر کے ان کو ختم کر دینے کے عمل کی طرف دھکیلنے کے لئے سوشل سائنسز کی ترویج کا منصوبہ بنایا)۔

☆ اس کے تحت برطانوی ہند کے تمام عہدیدار ڈپٹی کمشنر کمانڈر وغیرہ چونکہ بہت مرفع

الحال تھےاورحکمرانوں کی حیثیت سے بےحساب رقم کرتے تھےلہٰذاان کے مشاغل میں مقامی سطح پر ہرطرح کا DATA COLLECTION تھی۔ چنانچہ ہرضلع کاایک سرکاری گزٹ ماہانہ جاری ہوتا تھا جس میں مقامی قبائل کا تذکرہ، ان کے آباؤاجداد کا شجرۂ نسب سمیت ان کی ذاتیں اور گوتیں(SUB-CASTES) اوراختلافات تک کا تذکرہ شامل ہوتا تھا۔محکوم اقوام کے لوگ سرکاری گزٹ میں اپنا تذکرہ انگریزی زبان میں شائع ہونے پرشاداں وفرحاں رہتے تھے جبکہ وہ ایک ایسا مستقل ریکارڈ ہوتا تھا جو یورپ کی لائبریریوں اورمنصوبہ سازوں تک باقاعدگی سے پہنچ رہا تھا۔

مقامی زبانوں اوران کی تفصیلات، لہجے کافرق، بولیوں کافرق حتیٰ کہ خانہ بدوش قبائل کے بارے میں بھی حددرجہ صحیح معلومات اس دور کے ماہرانساب لوگوں سے حاصل کرکے شائع کی گئیں اوراس کا ریکارڈ بھی مغرب پہنچ گیا۔

☆ اسی دور میں مقامی انگریز اعلیٰ عہدیدار مقامی سطح پر زمینی ساخت کے بارے میں مقامی کہانیوں، داستانوں اورلوگوں کے تاثرات واحساسات تک کا گوشوارہ بھی تیار کرتے رہے۔اور ریکارڈ کےطور پرمحفوظ کرتے رہے۔

☆ مقامی سطح پر بارشوں کے نظام کے بارے میں اجتماعی یادداشتوں، دریاؤں کے بہاؤ، سیلابوں کے بارے معلومات، دریاؤں کے رخ کی تبدیلی اورسیلابوں کے بارے میں تجربات بھی اکٹھے کردیئے گئے۔

☆ معدنیات اور پہاڑوں کےاندرموجودذخائر کے بارے میں مقامی لوگوں کے تجربات اوریادداشتوں کوبھی جمع کردیا گیا۔

☆ مقامی لوگوں کےمشغلوں کے بارے میں بھی معلومات یکجا کی گئیں اوران کے میلے، اجتماعات، تجارتی اسفار، لوک گیت، فنکاری، آلات موسیقی اور دیگر ذرائع حرب وضرب پر بھی نہایت باریک بینی کےساتھ کام ہوااوررریکارڈ محفوظ کردیا گیا۔

☆ مقامی گھریلو جانوروں، وحشی جانوروں، جنگلی حیات، سمندری حیات اور پرندوں کے بارے میں بھی حددرجہ صحیح معلومات جمع کردی گئیں۔

☆ کیمرہ کی ایجاد کے بعد جنگلی جانوروں، پرندوں حتیٰ کہ ہر قابل ذکر چیز کے فوٹو بھی شامل تحقیق کرنے کے لئے محفوظ کر لئے گئے۔

☆ مقامی لوگوں کے اعتقادات، مذہبی مقامات، ان کے مذہبی میلے، اجتماعات، عرس اور دیگر تہواروں کا مکمل ریکارڈ کا گوشوارہ تیار کر کے مزید برآں ان کے جذبات واحساسات اور مذہبی اختلافات کا بھی پورا ریکارڈ اکٹھا کر کے یورپ کے عالی دماغوں کے سامنے رکھ دیا گیا تا کہ اس پر غور وفکر کے ذریعے مزید نتائج نکال کر اپنا استحصالی پروگرام اور آگے بڑھا سکیں۔

دوسرا مرحلہ

مغرب کی لائبریریوں اور یونیورسٹیوں میں جب اوپر درج سارا ریکارڈ ایک حد تک جمع ہوا تو اب وہیں کے پروفیسروں کے ذریعے حاصل شدہ معلومات کو پرکھا گیا اور ان سے نتائج نکال کر اگلہ مرحلہ شروع کیا گیا۔

اس مرحلہ پر زمین میں کھدائیاں کر کے اصل معلومات حاصل کرنا تھا اور ماہرین کی موجودگی میں معدنیات کے بارے میں نادر معلومات اکٹھا کرنا تھیں تاہم اس کو ایک خوشنما نام ''آثار قدیمہ'' دے کر مقامی لوگوں کا تعاون حاصل کیا گیا اور ایک علمی خدمت کا لبادہ پہنا کر یورپی ماہرین ارض اور ماہرین معدنیات کو ساری دنیا میں پھیلا دیا گیا اور قدیم تہذیبوں اور آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں سے معلومات کا اکٹھا کرنا اس مشن کا خفیہ مقصد تھا۔ اس سے ایک طرف اہرام مصر جیسی عظیم عمارات دریافت ہو گئیں تو دوسری طرف قدیم تہذیبوں اور ثقافتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں جس سے مقامی لوگوں کی جذباتی وابستگی کو بھی اپنے حق میں پھیر دیا گیا تا کہ ان کے کسی بھی اقدام پر مقامی لوگوں میں نفرت کے جذبات نہ ابھر سکیں۔

یاد رہے کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں ریسرچ پیپرز (RESERCH PAPERS) کے عنوانات، تحقیقی مقالات کے رُخ متعین کرنے کے لئے مغرب کا وہی مافیا ہی رہنمائی کا کردار کرتا رہا ہے جس کے پیش نظر بالآخر دنیا بھر کا استحصال ہے اس نے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کی علمی کاوشوں میں یکسانیت پیدا کی اور کام کی ایسی تقسیم کہ کہیں کام OVERLAP نہ ہو اور محنت رائیگاں نہ جائے اور کسی ایک جگہ فرانس اور برطانیہ دونوں کی ٹیموں کی آمد جیسے فطری

واقعات کے مواقع نہ آئیں یہ سارا پروگرام یقیناً ایک ایسے ہی ذہن اور خفیہ گروہ کا پتہ دیتا ہے جو آج تک اکثر اہل علم کی نگاہوں سے خفیہ رہنے میں کامیاب ہے۔

یقیناً ــــــــــــ اہل مشرق تو معلومات میں بہت پیچھے تھے انہیں مغرب کی چالوں اور علمی تحقیق کے روپ میں دسیسہ کاریوں کا حقیقی علم ہوتا بھی تھا تو ــــــــــــ صدی یا نصف صدی بعد ہوتا تھا مگر حیرت ہے کہ خود یورپ کے اہل علم بھی اس سے نابلد ہی رہتے تھے یا جان بوجھ کر اس کا ذکر نہیں کرتے۔

چنانچہ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں جب یورپی اقوام کا علمی سطح پر قبضہ مستحکم ہو گیا تو آثار قدیمہ کے نام پر تمام پرانی تاریخی، تہذیبوں کی بازیافت کا پروگرام بنایا گیا اور مقامی لوگوں اور متعلقہ مذہبی لوگوں کے تعاون سے سابقہ تباہ شدہ کھنڈرات کے نشانات، تباہ شدہ مندروں کی کھدائی اور گم شدہ تہذیبوں اور بھولے بسرے تمدن اور بادشاہتوں کی علمی بازیافت کا مرحلہ قدم بقدم سر ہوتا چلا گیا اور معلومات کا ایک خزانہ جمع ہوتا چلا گیا جس سے ایک تو مطلوبہ مقاصد حاصل ہو گئے اور دوسری طرف دنیا مغربی بالادستی اور علمی برتری پر حیران و ششدر رہ گئی۔

ہر قوم نسل اور مذہب کے مذہبی مقامات اور پرانی تاریخی عمارات کو جب دریافت اور بازیافت کیا گیا یا جو بے آباد اور ویران پڑی تھیں انہیں سرکاری تحویل میں لے کر ''محکمہ آثار قدیمہ'' کے حوالے کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ ان کی مرمت کرا کے ان کو سیر گاہ اور ٹورسٹ سپاٹ TOURIST SPOT میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح سابقہ مذہبی اسفار جو کٹھن تھے وہ سفر آسان ہو گئے اور عام آسودہ حال لوگ بھی نئی نئی معلومات کیلئے اور نئے نئے علاقوں کی سیاحت کا جذبہ لے کر مغرب سے نکلے اور آہستہ آہستہ یہ لطیف جذبہ بڑھ کر ایک ''وبا'' کی شکل اختیار کر گیا۔

(یاد رہے کہ حرمین شریفین کی زیارت کے سفر میں مسلمانوں کی مذہب سے وابستگی آڑے آتی رہی اور اب ماڈرن ازم اور ترقی کے نام پر اسے بھی TOURISM کے طور پر منظم کر دیا گیا ہے جس میں اعلیٰ پائے کی رہائشیں اور سفر کے مختلف نوعیت کے پیکیج شامل ہیں)

دنیا میں بیسویں صدی کے آغاز میں یہ مرحلہ شروع ہوا تو آہستہ ٹورازم نے ایک صنعت کی شکل اختیار کر لی۔ ہوٹلوں کا قیام، کھانے کی سہولتیں، رہائشیں ــــــــــــ ہر

درجے کے مسافروں کے لئے انتظام اور ضروری سہولتوں کو فراہم کر دیا گیا۔ پھر مغرب کے عوام چونکہ آزاد خیال اور عیاشی، شراب خوری، بدکاری کے رسیا تھے لہٰذا ٹورازم کے ساتھ اس کا انتظام بھی ہوا۔ اور دنیا کے اکثر مقامات پر مقامی طور پر چونکہ شراب اور بدکاری پسندیدہ نہیں تھی اور مغرب اسے انڈسٹری قرار دینا چاہتا تھا لہٰذا معیاری ہوٹلوں کا قیام عمل میں آیا اور سرکاری سطح پر ــــــــــ شراب و کباب کا انتظام ہو گیا۔ عوامی ہوٹل بھی تھے اور فائیو سٹار ہوٹل بھی جہاں ہر ناجائز چیز کی سرکاری حفاظت میں فراہمی کا اہتمام شروع ہوا اور آج یہ ''وبا'' ٹورازم کے نام پر ہر ملک اور ہر بڑے شہر میں پھیل چکی ہے۔ اور اس ٹورازم یا سیاہت میں اب نئے نئے ملکوں کی سیر کا عنصر کم اور نئی نئی قوموں اور نسلوں کے ہاں قیام کر کے بدکاری اور شراب خوری نائٹ کلبوں سے استفادہ زیادہ عام ہے جتنا زیادہ مہنگا ہوٹل ہوگا اس میں اتنی زیادہ PROTECTED بدمعاشی اور بے حیائی کا اہتمام ہوگا۔ اس میں تنوع اور دل فریبی پیدا کرنے کیلئے اکثر بڑے ہوٹل خالص مقامی آرٹ، کلچر لباس، فن پاروں سے سجائے جاتے ہیں تا کہ جدت طبع کا سامان مہیا رہے۔

تیسرا مرحلہ

سوشل سائنسز کی ترویج کے اس تیسرے مرحلہ میں یورپ کے منصوبہ سازوں نے مقامی آبادیوں، قبائل اور انسانی گروہوں کی نسلی اور لسانی شناخت کی معلومات اکٹھا کرنا شروع کیں اور اس طرح سابقہ علم اور نصاب جدید طرز پر مرتب کر کے ساری دنیا کا ایک نسلی خاکہ بنا دیا گیا۔ اور اس عمل میں چونکہ مغرب کے منصوبہ سازوں کے سامنے اعلیٰ سطح پر مقامی اور متعلقہ قوم کے لوگوں کی کوئی نمائندگی نہ تھی اور ان کی غیر جانبداری اور اپنے مقاصد کے حصول کیلئے غلط بیانی روکنے کی کوئی سبیل بھی نہیں تھی لہٰذا مغرب کے اہل علم نے اپنے مقاصد کے جلد حصول اور یقینی پیش رفت کے لئے اس علمی تحقیق کے نتائج کو اپنے حق میں کرنا کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ کئی علاقوں میں کسی قوم کو کم اور کسی کو زیادہ دکھانا ایک معمول کی بات ہے۔

اسی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ بیسویں صدی کے شروع میں مشرق وسطیٰ (جو سارے کا سارا سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا اور مشرقی یورپ سمیت سارا شمالی افریقہ بھی) کے بارے میں مغربی تحقیق سامنے آئی تو اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا اور اسلامی اخوت و مساوات اور یک جہتی کو مختلف

قوموں، برادریوں اور نسلی اکائیوں میں تقسیم کر کے ظاہر کیا گیا۔ اگلے دو تین عشروں میں ''لارنس آف عربیا'' جیسے یورپی مصنوعی کرداروں کے ذریعے اس علاقے میں علاقائیت اور نسلی برتری کا بیج بو کر ترکوں کے خلاف کر دیا گیا اور 1924ء میں ترک خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ ممکن ہو گیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ شاید وہ خفیہ ہاتھ یہی کچھ چاہتے تھے۔

اس مرحلہ پر صرف مسلمانوں کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں نہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم کے ساتھ یہی کچھ کیا گیا حتیٰ کہ یورپ میں اسی انداز میں نسلی اکائیوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔

چوتھا مرحلہ

اس مرحلہ پر ضمنی طور پر وطنیت یا وطن پرستی (NATIONALISM) کا نعرہ دیا گیا اور مقامی لوگوں کی حکومت کا فلسفہ گھڑا گیا تا کہ دنیا بھر میں چھوٹی چھوٹی قومیں اپنی اپنی حکومتیں قائم کریں اور مضبوط اور بڑی حکومتیں قائم نہ ہو سکیں جو مغرب کے استحصالی اور استعماری ذہن کے منصوبوں میں رکاوٹ بن سکیں۔

اسی مرحلہ پر پہلے لیگ اور نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) اور پھر اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کا تصور دے کر ادارے قائم کئے گئے تا کہ منتشر نسلی اور سیاسی اکائیوں کو اپنے طور پر متحدہ محاذ قائم کرنے سے روکا جا سکے اور انہیں اپنی نگرانی میں لڑنے جھگڑنے کے لئے ایک مصنوعی پلیٹ فارم مہیا کر دیا جائے اور ان کے مسائل حل نہ کئے جائیں بلکہ ان کے نزاعات کو بڑھایا جائے اور ان کا استحصال کیا جائے۔

اقوام متحدہ کے عمومی فلاح و بہبود کے کاموں کے ذریعے شوشل سائنسز کی ترقی کو مزید مہمیز (BOOST) ملی۔ اعلیٰ درجے کا تعلیمیافتہ اور بھاری تنخواہ یافتہ لوگ مقامی لوگوں میں گھس کر فضولیات اور بے حیائی کے کاموں میں دخیل ہو گئے اور بے حیائی کے فروغ کا سبب بن گئے انہیں کے ذریعے مقامی آبادیوں میں مغرب کے ایجنٹ اور وفادار لوگ پیدا کئے گئے۔ UNO کے عملے کی بھاری اخراجات سے بچنے کے لئے جلد ہی NGO'S (NON-GOVERNMENT ORGANISATIONS) کا تصور دیا گیا کہ مقامی لوگ ملکر کوئی سوسائٹی بنائیں اور UNO کے دیئے گئے ایجنڈے کے مقاصد میں کسی کو سوسائٹی

کے قیام کا مقصد لکھیں مغرب سے ڈالروں میں امداد حاصل کریں اور مختلف معلومات حاصل کر کے اپنے مغربی آقاؤں کو فراہم کرتے رہیں۔

اس مرحلہ پر UNO کے عملہ نے خود بھی اور NGO'S کے ذریعے بھی ایسے ایسے سروے (SURVEY) گھر گھر جا کر کئے اور دفتری اوقات میں جبکہ مرد حضرات عموماً کام کاج پر ہوتے ہیں گھر کی خواتین (HUOSE WIVES) سے ایسے اخلاق سوز اور بدکاری پر آمادہ کرنے والے سوالات کئے کہ ہر عورت کے ذہن کو گناہ کے مواقع پا کر گناہ کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہ بات نہ UNO کے مقاصد میں تھی نہ سائنسی ترقی کا حصہ مگر ایک خفیہ MASTER MIND نے جو ساری ترقی کو ایک خاص مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر تلا ہوا بیٹھا تھا لہٰذا اس کی ہر کوشش چاہے بظاہر متضاد نظر آئے وہ اس بڑے مقصد کے لئے ہی ہوتی ہے

پانچواں مرحلہ

ہر انسان میں مرد ہو یا عورت جنسی جذبہ تو ہے ہی کہ وہ ایک فریق تو ہے۔ اسی طرح ہر انسان 24 گھنٹوں میں فراغت کے لئے ضرور بیت الخلاء میں یا کپڑوں کے تبدیل کرتے وقت بے حجاب ہوتا ہی ہے یا بے لباس ہوتا ہے اسی طرح اپنے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں جاننے کا خیال بھی ہر انسان کو آتا ہی ہے اور وہ اس کے لئے کم وبیش اپنے اپنے تصور ''شرم وحیا'' کے اندر کوشش بھی کرتا ہے۔

تاہم شوشل سائنسز کے اس مرحلہ پر مغرب نے دنیا بھر کے انسانی قبائل، انسانی نسلوں، علاقے، مذاہب اور خانہ بدوش قوموں کے بارے میں DATA اکٹھا کر کے اس سے نتائج نکالے اور یوں اس کو صرف معلومات کی حد تک ''علم'' کا لیبل لگا کر مختلف علوم اور FACULTIES میں داخل کر دیا اور اس کی مزید سٹڈی کو ریسرچ پیپرز کا موضوع بنا دیا۔ اس طرح جیسے ہی یہ بے حیائی کا کام عام ہوا اور عام انسان پر اثر انداز ہونے لگا تو مغرب کے منصوبہ سازوں نے انسان کے ان خفیہ اور ذاتی عزائم اور خواہشات کو بھی اجتماعی سطح پر لانے اور اس میں مقابلے کی کیفیت پیدا کرنے کا اہتمام کر دیا اخلاقی سطح پر کوئی رکاوٹ آئی تو بالارادہ

SECULAR خیالات کی سرپرستی کی گئی اور ''مذہب'' اور مذہبی سوچ کو DISCOURGE کیا گیا اس کو فرسودہ گردان کر رد کرنے کی چیز قرار دے دیا گیا اس مغربی پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا کہ اچھے اچھے مذہبی ذہن بھی (خود مسلمانوں میں سے) اس کی زد میں بہہ گئے۔ ریڈیو، ٹی وی، فلمیں، وی سی آر، کیبل اور بعد میں انٹرنیٹ نے اس میدان میں اس خفیہ گروہ کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں خاص کام کیا اور بے حیائی گلی گلی اور گھر گھر پہنچ گئی اور تفریح کے نام پر بے حیائی کا فروغ ہوا اور دنیا کے ہر طبقے تک پہنچا دیا گیا۔ اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں سوشل سائنسز کی اس ترقی کا اگلا قدم کونسا ہوگا اور انسانیت کس قعر مذلت میں گرنے کے قریب کھڑی ہے۔

ابتداء میں شوشل سائنسز کا علم ''واقفیت عامہ'' (GENERAL KNOWLEGE) کے نام سے موسوم تھا۔ بعد میں اسے سوشل سٹڈیز (SOCIAL STUDIES) اور HUMANITIES کا نام دیا گیا اور مزید بے حیائی اور گندگی کو عام کرنے کے لئے اور خوشنما نام SOCIAL SCIENCES دے دیا گیا۔ ان علوم میں ایک حصہ بڑا قیمتی اور انسانیت کی خدمت کے لئے بڑا مفید و معاون ہے تاہم ہر اچھی چیز بھی بری نیت کے ساتھ بری ہو جاتی ہے برائی سائنس کا اور اس کی تفاصیل یا اس جذبہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ خفیہ ''عنصر'' یا گروہ ہے جو ان تمام معلومات کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر کے انسانوں کا استحصال چاہتا ہے اور انسانی کمزوریوں کو اجاگر کر کے انسان کو انہیں کا پرستار بنانا چاہتا ہے اور اس کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے کی فکر میں ہے وہ گروہ اصل برائی کی جڑھ ہے اور اس کو سراغ لگا کر عالمی سطح پر کٹہرے میں لانا اصل انسانی خدمت (HUMAN SERVICE) یا HUMANISM ہے

علم اور تصور کائنات

1۔ انسان ایک اعلیٰ مخلوق اور خالق کائنات کا شاہکار (MASTER PIECE) ہے انسانی جبلتوں اور ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مل جل کر رہتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یوں وہ ایک SOCIAL ANIMAL ہے۔ انسانوں کی اجتماعیت کی مختلف شکلیں ہیں۔ خاندان ـــــ برادری ـــــ قبیلہ قبائلی اتحاد ـــــ شہری ریاستیں، ملک اور عظیم

حکومتیں ــــــــــــ یہ سب انسانوں کے مجموعے کا نام ہے۔

انسانوں کی انفرادی نفسیات کی طرح اجتماعی نفسیات بھی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ انسانی گروہ اپنے مخصوص حالات کے مطابق اپنے علاقے کے انسان ہی طرح رویّے (BEHAVIOUR) رکھتا ہے۔ ماسوائے اس کے لئے اجتماعیت شادی نہیں کرسکتی جبکہ انسان انفرادی طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوسکتا ہے۔ اسی طرح انفرادی انسانی ذہن کی طرح ایک اجتماعی انسانی ذہن اور سوچ ہوتی ہے جو موجود ہوتی ہے پروان چڑھتی اور ماحول کو متاثر کرتی ہے اور اجتماعیّتوں اور قوموں کو فتح وشکست سے بھی ہمکنار کرتی رہتی ہے۔

2۔ انفرادی انسانی ذہن اور حواس خمسہ نے اگر سائنس کی بنیاد ڈالی اور اس کو پروان چڑھایا تو اجتماعی انسانی ذہن نے اس ماحول میں ایک اجتماعی ذہن بنایا تصورات جنم دیئے اور ان میں مزید غور وفکر کرکے انسان کے لئے اجتماعی راہ عمل کے گوشے متعین کردیئے۔

یہ اجتماعی ذہن جسے آجکل ENTELLIGENTIA یا BRAIN TRUST کہا جاتا ہے اجتماعی سطح پر بالکل وہی کام کرتا ہے جو ایک فرد واحد میں دماغ کا کام ہے۔ دستکار، فنکار، کاشتکار، کارخانہ دار، مزدور، کسان اس اجتماعیت کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں وہ اس اجتماعیت کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ علی ھٰذا القیاس

3۔ جدید یورپی ترقی میں ماضی کے مقابلے میں اس طبقے نے بہت زیادہ موثر کردار ادا کیا ہے۔ سابقہ قوموں اور تہذیبوں میں بھی اس طبقے نے اجتماعی تصورات قائم کئے اور یہ انسانی

ضرورت ہیں۔اور اگر معاملات فطری حد تک رہیں تو بے راہ روی اور غلطی کا بھی ایک محدود اور فطری انداز ہوتا ہے جو قبول کی جاتی ہے اور قابل اصلاح ہوتی ہے۔

اس طبقہ (ذہین اقلیت) نے ہمیشہ معاشرے کے لئے جو تصورات دیئے وہ اس طرح تھے۔

☆ کائنات کا ایک مجموعی تصور۔آسمان کیا ہے کتنا اونچا ہے؟ ستارے کیا ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ چاند کیا ہے، زمین کیا ہے، اس کی شکل کیا ہے، دن رات کیسے بنتے ہیں؟ موسم کیسے بنتے ہیں؟ زلزلے کیسے آتے ہیں؟ سیلاب کیوں آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

☆ **انسان کا اس کائنات میں مقام** اس پوری کائنات میں جو اوپر تصور بنا، انسان کا مقام کیا ہے وہ حاکم ہے محکوم ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتا یا جو چاہے کرے؟ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان بالکل حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے یا کوئی اور مخلوق، انسان مر کر چلے کہاں جاتے ہیں مرنے کے کیا بعد کیا ہوتا ہے۔حیات بعد ممات کا تصور کیا ہے وغیرہ وغیرہ

☆ اس کائنات کو کس نے بنایا ہے؟ کیوں بنایا ہے؟ اس کو کون چلا رہا ہے اس کے پیچھے کیا حکمت کارفرما ہے۔

☆ انسان کے لئے دنیا میں رہنے کا صحیح طرز عمل کیا ہے انسان خود وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا خالق کائنات کی طرف سے کوئی چیز اتاری گئی ہے اور انسان اس کا کیوں پابند ہے وغیرہ وغیرہ۔

4۔ حالیہ چندصدیوں کی مغربی علمی ترقی اوراس کے زیراثر سوشل سائنسز اور فلسفہ کی اٹھان نے بھی بنیادی طور پر یہی کچھ کیا ہے جو ماضی میں ہوتا رہا ہے۔تاہم اس حالیہ مغربی ترقی میں چونکہ ترقی کی رفتار نے اب خاص رُخ اختیار کرلیا ہے اور معاملہ سادگی اور فطری سے لے کر ایک خفیہ گروہ اور ذہن کی کارفرمائی تک پہنچا ہوا ہے لہٰذا ــــــــــــ اب اس تصوراتی میدان میں بھی حالیہ ترقی کی اٹھان ایک غیر فطری ــــــــــــ اور ــــــــــــ مصنوعی انداز میں ہوئی ہے اور کسی کی سوچ چاہے یہی کہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہوا اور عین سیدھی راہ پر ہے استدلال اور RATIONALITY کے تقاضے پورے کرتا ہے مگر حقیقت میں نگاہوں سے یہ بات اوجھل نہیں ہے کہ تجرباتی علوم سے آگے بڑھ کر سوشل سائنسز کی ترویج اور اس کے بعد اس تصوراتی مرحلہ میں تو ــــــــــــ ایک خفیہ (ہاتھوں اور تنظیم) گروہ نے وہ قیامت ڈھائی ہے کہ ــــــــــــ الامان ــــــــــــ الحفیظ۔

10۔ اس عنوان سے جو کوششیں اس BRAIN TRUST یا مغرب کے فہیم عناصر اور ذہین اقلیت نے گزشتہ چندصدیوں میں کی ہیں اور جو اجتماعی راہیں متعین کی ہیں اور اجتماعی روشوں اور رویوں کو جنم دیا ہے اس کا ایک مجموعی نام ''فلسفہ'' یا فلاسفی PHILOSOPHY ہے۔

اس ساری محنت سے فلسفہ تاریخ، فلسفہ علم، فلسفہ اخلاق، فلسفہ ادب اور فلسفہ جنگ وصلح وجود میں آ گئے اور نامعلوم کس کس شعبہ ہائے زندگی میں اس اجتماعی ذہن نے دخل اندازی کر کے اپنی من مانی تاویلات اور فاسد خیالات کو ثبت کر دیا ہے۔

اور ــــــــــــ یہ سارے فلسفے اب باقاعدہ یورپ اور مغرب کی علمی برتری سائنسی کمال اور تجارتی عروج کے جلو میں ایسے سیکھے جا رہے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لئے جا رہے ہیں کہ گویا یہ ''وحی خداوندی'' سے بھی زیادہ اہم ــــــــــــ خدانخواستہ اس سے بھی بڑی ''نعمت'' ہے۔اس علم کی منتقلی پر مغرب گویا غیر ترقی یافتہ اور تیسری دنیا پر احسان کر رہا ہے اور ایک تحفہ سمجھ کر عطا کر رہا ہے اور تیسری دنیا کے حکمران، پالیسی ساز ادارے اور اجتماعی سطح پر ہر ملک وقوم کے ذہین عناصر ان ''فلسفہ ہائے حیات'' اور اس کے عملی نمونوں کو لے کر نہ صرف شاداں وفرحاں نظر آتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو خوش قسمت بھی تصور کر رہے ہیں کہ وہ اس دور میں پیدا ہوئے ہیں

کہ اس طرح کی چیزیں اور ''نعمتیں'' انہیں اپنے گھر کی دہلیز پر میسر ہیں۔

کتاب فطرت کا مطالعہ کرتے کرتے
مغربی مفکرین کا ایک غلط فیصلہ

آج سے پانچ سو سال پہلے اپنے گرد و پیش کی کائنات کے بارے میں ناگزیر تجربات سے گزر کر تجرباتی علوم کے ساتھ سوشل سائنسز کی ترقی کے ابتدائی مراحل میں ہی انسان نے جب کائنات پر غور کیا تو اسے بڑے بڑے حسین اور دلربا حقائق سے سابقہ پیش آیا اگر یہ سلسلہ کسی بڑے حادثے کے بغیر فطری انداز میں آگے بڑھتا تو انسان اپنے رب اور خالق حقیقی کو جلد ہی پالیتا اور اس کی معرفت اور پہچان کا مرحلہ آسانی سے سر ہو جاتا نیز ــــــــــ اس کے نتیجہ میں انسان روئے ارضی پر اپنے آپ کو اس خالق ارض وسماء کا ''خلیفہ'' اور بندہ سمجھ کر زندگی گزارنے میں صرف فخر ہی محسوس نہ کرتا ــــــــــ اپنے لئے خوش نصیبی کی معراج سمجھتا۔

مگر کیا کیا جائے ــــــــــ اس وقت یورپ میں عیسائیت کا فروغ تھا اور بادشاہ اور رعایا کے تمام معاملات پوپ (POPE) کے اختیار میں تھے اور چونکہ ان کے ہاں تثلیث (TRINITY) کا عقیدہ بنیادی اہمیت کا حامل (CORNER STONE) عقیدہ ہے لہٰذا ــــــــــ اس عقیدے کے منطقی تقاضے کے طور پر کائنات پر ایسا غور وفکر جس سے غیر منطقی عقیدے پر زد آتی ہو ــــــــــ گردن زدنی تھا اور ہر ایسے فعل کی سزا ــــــــــ سزائے موت تھی۔

یاد رہے کے یہ معاملہ صرف مذہب کا نہیں ہے بلکہ مذہب کے کسی خود ساختہ ایڈیشن کا ہوسکتا ہے جس میں تصورات DISTORTED اور PERVERTED ہو جاتے ہیں اس وقت یورپی سائنسدانوں کا سابقہ اگر اسلام سے پیش آیا ہوتا تو یقیناً مذہب اور سائنس کا یہ ٹکراؤ ہرگز پیش نہ آتا جو عیسائیت کے علمبرداروں سے پیش آ گیا۔

چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ کئی ابتدائی محققین اور سائنسدانوں کو بے رحمانہ انداز میں

سزائے موت دے دی گئی۔ جس سے ایک نتیجہ یہ نکلنا چاہیے تھا کہ تمام ایسے اہل علم اور دانشور دائیں بائیں مشاہدہ کر کے کسی ایسے مذہب کو قبول کر لیتے جو اس سائنسی ترقی اور سوشل سائنسز کی ترویج کو قبول کر سکے اور اس کا ساتھ دے سکے اور اس راستے میں مزاحم نہ ہو۔ اس لئے کہ بڑی فطری بات ہے کہ انسان جب کہیں کوئی تصویر لگی ہوئی دیکھتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ 'کیا شاندار تصویر بنائی ہے مصور نے' مصور کے بغیر تصویر کا تصور انسانی ذہن کے لئے ناقابل قبول ہے تو یہ کائنات اور اس کی تمام دلکشی اور رعنائی اور دلچسپ مناظر، دریاؤ کی روائی، جھیلوں کا سکوت چشموں کے دلآویز نظارے، جنگلوں پہاڑوں میدانوں ریگستانوں اور مرغزاروں میں اچھلتی کودتی دوڑتی حیوانی حیات کے لامتناہی سلسلے، مور کا پر کھولنا، کوئل کی کوکو، بلبل کا نالہ، فاختہ کا اضطراب، ہرن کی چھلانگ، شیر کی لپک ، چیتے کی نگاہ ، بکری کا ممیانا اور بھیڑ کی سادگی ــــــــــ کیا کسی خالق، فاطر، باری، مصور، جمیل اور صاحب جمال ہستی کا پتہ نہیں دیتی۔

کبھی راہ گزرتے ہوئے یا سڑک پر جاتے ہوئے اگر راستے میں کچھ اناج کے دانے گرے ہوئے نظر آ جائیں تو انسان سوچتا ہے کہ کسی گدھا گاڑی یا کسی ٹھیلے سے بوری وغیرہ میں سوراخ ہونے پر گر گئے ہوں گے لیکن ذرا غور کیجئے اگر یہی سو دو سو گرام اناج کے دانے سڑک پر ایسے منظّم انداز میں سائنسی شکلوں دائروں مثلث مربع یا مخمس کی شکل میں ترتیب دیئے ہوئے نظر آ رہے ہیں تو لامحالہ ذہن انسانی اس طرف جائے گا کہ اس عمل کے پیچھے لازماً کوئی ذہین ہستی کار فرما ہے اس کے علاوہ انسان کی سوچ کہیں جا ہی نہیں سکتی۔

ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچئے اگر انسانی تجربہ اور مشاہدہ فطری انداز میں نشوونما پاتا اور ترقی کرتا تو اس کائنات میں ہر جگہ جو نظم، حسن ترتیب اور کمالِ ضبط نظر آتا ہے۔ وہ کس کے دستِ قدرت اور جمال وجلال کا مظہر ہے؟ یقیناً ایک خالق و مالک رب العالمین کا۔ بقول سعدیؒ:

ے برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور انسان غیر جانبدارانہ سوچ کا سفر کرے تو لازماً پکار اُٹھتا ہے کہ بقول شاعر

ے ہر کہ ما ئینم جز تو ئے تو نیست

یا تو ئی یا بو ئے تو یا خو ئے تو

اس نقطۂ نظر سے سائنسی علوم آ گے بڑھتے اور عقل کا استعمال ہوتا تو یہ چیز معرفت خداوندی کا ذریعہ بنتی اور خداشناسی کا جذبہ عام ہوجاتا۔

اگر سائنس کو ـــــــــــــ چاہے مادی علوم ہوں یا سوشل سائنسز ـــــــــــــ

ایسا مثالی ماحول میسر آ جاتا تو تمام انسان اور معاشرہ جلد ایک جنت ارضی کا نقشہ پیش کررہے ہوتے ہر جگہ سائنسی ترقی کے ساتھ عدل وانصاف ، کفالت عامہ کا تصور، شرم وحیا، عفت وعصمت کی حفاظت اور جان ومال کا تحفظ جیسی اقدار کا راج ہوتا، اور اس ترقی وخوشحالی کے ثمرات دنیا میں پسماندہ اقوام، غیر ترقی یافتہ اقوام اور تیسری دنیا کے لوگوں تک بھی جا پہنچتے مگر حضرت انسان کی بدقسمتی کہ ایسا نہ ہوسکا ـــــــــــــ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چند خاص دماغوں نے مل بیٹھ کر تمام انسانوں اور ان کی آئندہ نسلوں کے لئے بھی تباہی کا فیصلہ کرلیا۔ اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ مذہب (آسمانی ہدایت، خدا کا تصور، آخرت کا تصور، انبیاء کرام علیہم السلام اور وحی کا تصور وغیرہ وغیرہ) اور سائنس کا رشتہ کاٹ دیا جائے اور سائنس کے آگے بڑھنے اور پھیلاؤ کا عمل خدا اور آسمانی وحی کے اصولوں اور ضابطوں کے مطابق نہیں بلکہ ماحول اور ضرورت کے مطابق خودساختہ اصولوں اور ضابطوں کے تحت ہوگا ـــــــــــــ اس طرح آئندہ کے تجرباتی علوم اور سوشل سائنسز پر عقل کے تعامل کے مراحل میں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا یہ فیصلہ ایک خفیہ نادیدہ منظّم استحصالی گروہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ بدقسمتی سے یورپ میں عیسائیوں کے اندر ہی ایک طبقہ عیسائی عقائد سے بیزار تھا اور تثلیث وغیرہ کی نامعقولیت پر صدائے احتجاج بلند کرتا رہتا تھا اس طبقہ کو اس دور میں ایک غیر عیسائی قوت نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور زبردست احتجاج اور خون خرابے کے بعد عیسائی چرچ سے اس عیسائی گروہ اپنے لئے سود کی اجازت حاصل کرلی تھی اس کامیابی پر ابھی اس عیسائی طبقے اور اس کے سرپرستوں میں خوشی کا جشن ٹھنڈا نہیں پڑا تھا کہ سائنسی علوم کے مجموعی کائناتی تصورات کا مرحلہ آ گیا اور عیسائی مذہبی قیادت (پوپ) نے سائنسی علوم کے علمبردار اور کئی موجد حضرات کو موت کی سزا دے دی جس سے فطرتاً لوگوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس طبقے نے آگے بڑھ کر اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور سائنسی علوم کے نتیجے میں

معاشرتی، سیاسی اور معاشی سطح پر جو نظریات وخیالات سامنے آنے والے تھے ان کو آزاد اور فطری انداز میں آگے بڑھنے کے عمل کو روک دیا اور مذہب اور مذہبی ذہن سے آزادی کا نام دے کر اس تحریک کے قائد ہونے کی بنیاد پر اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

مزید برآں عیسائیت کے غیر معقول عقائد، پوپ کے مظالم، بادشاہوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف عوام کی نفرت سے فائدہ اٹھا کر ــــــــــــ سائنسی علوم کی پیش رفت کی وجہ سے عوام کو جو فائدہ ہونے والا تھا اور اس کی برکات وثمرات ہر شخص کی دہلیز پر پہنچنے والے تھے ــــــــــــ اس طرح اس عمل کا راستہ روک دیا ــــــــــــ اس تحریک کا نام تاریخ کے صفحات میں ''علم کا احیاء'' یا RENAISSANCE کی تحریک ہے۔

اس تحریک کا ماٹو (MOTTO) یہ تھا کہ علم کی ترویج وترقی کی راہ میں مذہب کی مداخلت برداشت نہ کی جائے جس سے اس خاص یورپی ماحول میں عوام وخواص میں اس تحریک کو حمایت حاصل ہوئی اور اس تحریک کے حق میں رائے عامہ جلد ہی ہموار ہوگئی اور اس تحریک کے مقاصد کو قبول عام حاصل ہوگیا۔ یورپی عوام کو تو شاید آج پانچ صدیاں بعد بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ اس احیائے علوم کی تحریک کے مقاصد کیوں نہ حاصل کیے جاسکے تاہم اس تحریک کی کامیابی سے فلسفہ کے میدان میں چند بنیادی گمراہ کن رہنما اصول اور فیصلے کسی میٹنگ میں طے کر کے محفوظ کر لئے گئے تھے اور جو آج تک مغربی فکر اور فلسفہ کے علمبرداران اور حامیان میں GUIDING PRINCIPLES کے طور پر ''آسمانی وحی'' سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اس اصولی فکری انحراف سے فلسفیانہ سطح پر جو تبدیلی آئی وہ یہ تھی کہ:

☆ اب آسمانی باپ، خدا، اللہ، GOD کا نام سائنس اور فلسفہ میں ہرگز استعمال نہیں ہوگا

☆ وحی، ہدایت، آسمانی رہنمائی، خدا کی مرضی، آسمانی حکومت، نبی، پیغمبر علیہ السلام کے الفاظ بھی اپنی جگہ کتنے ہی مقدس سہی سائنس اور فلسفہ کے میدان میں متروک متصور ہوں گے۔

☆ حیات بعد الممات یا موت کے بعد زندگی، جنت، دوزخ، فرشتے اور قبر کی اصطلاحات کا استعمال ممنوع ہوگا۔

☆ روح، روحانی زندگی، بزرگی، ولایت وغیرہ کے الفاظ بھی نوک قلم پر نہیں آئیں گے۔

اس ساری کوشش کا حاصل یہ ہوا کہ اس ساری محنت کے نتیجے میں اب جو فلسفہ سامنے آنے لگا اور

آج تک مغرب کے فکری خزانے سے برآمد ہو رہا ہے ــــــــــــ اس کے اہم نکات یہ ہیں کہ

☆ خدا کے مقابلے میں کائنات پر بحث کرتا ہے خدا ہے یا نہیں اس سے بھی بحث نہیں

☆ آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی بہتری فلاح و بہبود پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے

☆ روح کے مقابلے میں جسمانی اور مادی زندگی اور اس کی لذات اور ان کا حصول اصل مطمع نظر قرار دیا ہے۔

☆ انبیائے کرام علیہم السلام، وحی، فرشتے، آسمانی ہدایت کے الفاظ اب سائنس وفلسفہ کا موضوع نہیں بلکہ زندگی میں حلال وحرام اور اختیار و رد کرنے کی بنیاد سائنسی تحقیق اور سائنسدانوں کے خیالات قرار پا گئے۔

اہل مغرب کی فکر کا حقیقی اساسات سے انحراف

1۔ مغرب کے تجرباتی علوم کی ترقی کے اس مرحلہ پر کہ انسان کا اجتماعی ذہن ان بنیادی اینٹوں کو جوڑ کر ایک عظیم الشان عمارت بنا کر کھڑی کرنا چاہتا ہے ــــــــــــ اوپر درج کردہ فیصلوں کے نتیجے میں دراصل بہت سی بنیادی اور مستحکم اساسات ہی سے انحراف تھا جس سے جب عمارت بن کر تیار ہوئی تو خود بنانے والوں کو بھی اور دوسرے اہل بصیرت کو بھی نظر آیا کہ عمارت کی تعمیر غلط بنیادوں پر اور غلط انداز میں ہوگئی ہے۔ یہ عمارت ''پیسا کے مینار'' کی طرح جوں جوں اگلے مراحل طے کر رہی تھی اس کا ٹیڑھا پن اور بے اصولی روز روشن کی طرح واضح ہوتی جا رہی تھی۔ بقول شاعر

؎ خشت اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

یہ انحراف دراصل فکری سطح پر ناگزیر اساسات سے ہی اعلان بیزاری تھا جس نے فطری انسانی زندگی کی بنیادوں کو ہی ہلا کر رکھ دیا۔

2۔ اس فکر کے بانی اور مؤسّس بھی اس فکری انحراف اور تعمیر فکر کی غلطی پر پریشان تھے کیوں کہ انسانی فکر کی بنیاد حقیقتاً انسان کے باطنی داعیات پر ہے اور وہ فطرت کی

طرف سے انسان کے باطن (دل و دماغ) میں ودیعت کردہ ایک فطری اور حسین حد بندی میں رہ کر ہی صحیح کام کرتے ہیں اور غلطی اور انحراف کی شکل جیسے عام کلکولیٹر (CALCULATOR) ERROR ظاہر کر دیتا ہے انسانی ضمیر اور اور وجدان بھی غلطی کا احساس کرنے لگتا ہے۔

اس مرحلہ کے آگے بڑھنے پر RENNAISSANCE کے نام پر فکر مغرب کو نئی بنیادیں فراہم کرنے والے ذہن بھی یقیناً ٹھٹک کر رہ گئے۔ اگر یہ سوچ اور فکر کا پروان چڑھنا ایک فطری انداز میں ہوتا اور خالق کائنات کے تصور اور انسان کے اندر اخلاقی حِسّ (MORAL LAW) کی اساس پر ہوتا تو یہ عمل اطمینان اور یکسوئی کا باعث بنتا۔ جبکہ یہاں صورت حال انسانی فطری داعیات سے جنگ اور داخلی انتشار کی تھی اور انسانی نفسیات کی بنیاد پر حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سو فیصد تو نہیں یقیناً اس جدید مغربی فکر کے ابتدائی مبلغین کی غالب اکثریت نے اس فکر کو غلط بنیادوں پر آگے لے کر جانے سے انکار کر دیا ہو گا اور اس دور میں یعنی 1600ء سے 1800ء تک کے عرصے میں یورپ میں اعلیٰ علمی سطح پر لازماً ایک فکری کشاکش اور جنگ کی سی کیفیت اس انحراف کا لازمی نتیجہ ہے جو کہ برآمد ہو کر سامنے آ گیا۔

3۔ انسان کی تخلیق اور مقصد تخلیق ہی کا یہ مظہر ہے کہ انسان کبھی بھی اجتماعی سطح پر حقیقتاً ''ہم خیال'' (UNANIMOUS) نہیں ہو سکتے کہ ایک فکر اور سوچ کے حامی بن جائیں۔ کسی ایک فکر کے حامی زیادہ ہوں تو اس کے تھوڑے مخالف بھی ضرور معاشرے میں موجود ہوتے ہیں۔

اسی طرح فکر مغرب کی اس بنیادی علمی کشاکش میں اگرچہ حق پرستوں اور خدا پرستوں کی کمی نہیں تھی تاہم دوسری طرف اس غلط نئی سوچ اور فکر کے بہت سارے حامی اور علمبردار بھی سامنے آتے چلے گئے۔

اس کی ایک بنیادی وجہ تو سترھویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ کا اخلاقی ماحول ہے جو اوسط سے بھی کم درجے کا تھا لہٰذا وہاں خدا پرستی اور خدا شناسی کا حامی طبقہ کی تعداد یہی ہو سکتی تھی۔ اور دوسری بنیادی وجہ ایک مخصوص استحصالی ذہن کا حامل گروہ تھا جس نے یہ سارا ماحول پیدا کیا تھا کہ کسی طرح عیسائیت کے جامد مذہبی تصورات سے گلوخلاصی حاصل کی جائے اور نتیجتاً مذہب

بیزاری اور آسمانی ہدایت سے ''آزادی'' کے جذبات کو فروغ دے کر ''نیا جہان'' آباد کیا جائے اور NEW WORLD ORDER کے ذریعے اخلاق و کردار کے نئے مصنوعی معیارات فروغ دیئے جائیں جس میں خدا ـــــ رسول اور وحی کا ذکر نہ ہو۔ تاکہ فیصلہ کن اختیارات اسی استحصالی مخصوص پس پردہ کام کرنے والے گروہ کے ہاتھ میں رہیں۔

اس لئے اس گروہ نے اہل حق کو دبایا ـــــــــــ اور اس پورے عمل سے علیحدہ کر دیا۔ یونیورسٹیوں، درسگاہوں اور دیگر اہم علمی مراکز سے نکلوا دیا تاکہ یہ آواز ہی دبا دی جائے اور اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر اس نئے طرز فکر کے حامی ذہین عناصر کو سامنے لا کر ان سے مرضی کے افکار کو فروغ دیا جا سکے۔

4۔ جیسے کسی پودے کو اس کا مخصوص ماحول میسّر نہ آ سکے اور سازگار زمین نہ مل سکے تو وہ پودا جلد یا بدیر مرجھا کر سوکھ جائے گا ـــــــــــ کچھ یہی حال یورپ کی علمی درسگاہوں اور سائنسی ریسرچ سنٹرز میں ہوا کہ خدا شناس اور خدا پرست طبقہ فکری سطح پر سترھویں، اٹھارویں صدی تک میدان میں ڈٹا رہا اور بقا کی جنگ لڑتا رہا۔ مگر سائنسی ترقی، سود اور صنعتی ترقی سے حاصل کردہ بے پناہ وسائل اور محکوم اقوام سے لوٹے ہوئے خزانے استعمال کر کے استحصالی طبقہ جدید فلسفہ و فکر کو پھیلانے میں کامیاب ہو گیا اور صحیح سوچ اور فکر کے حامل طبقات نامناسب ماحول اور عوامی عدم دلچسپی کے باعث مرجھا کر ختم ہو گئے۔

5۔ اگرچہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں خدا پرستی اور خدا شناسی کا جذبہ مغرب میں علمی افق پر چمکتا رہا لیکن چونکہ اخلاقی لحاظ سے مغربی معاشرہ رو بہ زوال تھا اس لئے یہ جذبہ ایسا نہ تھا جیسے کبھی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے زیر اثر ہو سکتا تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے مکی دور میں حضرت زید اور دیگر چند شخصیات کی طرح کا تھا جو حق کے متلاشی ضرور تھے۔ مگر ان کا ہاتھ رومی کی طرح پردہ محمل پر نہیں تھا۔ بقول اقبال

؎ بو علی اندر غبار ناقہ گم دست رومی پردہ محمل گرفت

لہٰذا خدا پرست اور خدا شناس فلاسفہ معاشرے پر کوئی حقیقی اور دیرپا اثر نہ ڈال سکے۔ اور حالات کا بہاؤ سیکولر انداز اور تجدید علوم کے فلسفہ کی طرف ہی رہا بلکہ اس کی حمایت میں دن

بدن اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

تجدید علوم کے حامیان کو سیکولر بنیادوں پر علوم کو آگے بڑھانے کے لئے جب فکری بنیادوں اور تاریخی اعتبار سے فکری تسلسل کی تلاش کا مرحلہ درپیش ہوا تو انہوں نے مذہب دشمنی اور خدا بیزاری کے جذبہ کے تحت اپنی فکر کا رشتہ ــــــــــــ دو ہزار سال پرانے یونانی فلاسفہ سے جا کر جوڑا، ارسطو، افلاطون وغیرہ کے کام کو از سر نو زندہ کیا اور علمی درسگاہوں میں پڑھنے پڑھانے کا بندوبست کر دیا اور انہیں کے استدلال اور تصورات کو بنیاد بنا کر اپنے جدید فلسفہ کی بنیاد رکھ دی۔

5۔ چند صدیاں قبل مسلمانوں کی عباسی سلطنت کے زوال پر بھی مشرق وسطیٰ میں یونانی فلاسفہ کے علوم کا رواج بڑھ گیا تھا اور ان کے زیر اثر بعض مسلمان فلاسفہ بھی حق پرستی سے منحرف ہو گئے تھے چنانچہ اس مرحلہ پر امام غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء العلوم کے نام پر یونانی فلاسفہ کا تعاقب کیا اور اسلامی فکر کے تحفظ کا کارنامہ سرانجام دیا۔

ایسا ہی مرحلہ یورپ میں اٹھارویں صدی میں پیش آیا جب تجدید علوم کے حامیان جو اب یونانی فلاسفہ کے فکر کو سامنے لا کر اپنے لئے نئی راہیں تلاش کر رہے تھے اور اپنی فکری بنیادیں مضبوط کر رہے تھے کو ایسے فلاسفہ سے سابقہ پیش آیا گیا جو مادہ کے بجائے روح MATERIAISM کی جگہ REALISM اور APPEARANCE کے بجائے REALITY کے حامی اور علمبردار تھے ان فلاسفہ کا سرخیل کانٹ (KANT) تھا جس نے اپنے دور میں جدید مغربی فکر کا بھرپور مقابلہ کیا اور اس کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

علامہ اقبال ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

IT CANNOT HOWEVER, BE DENIED THAT GHAZALI'S MISSION WAS ALMOST APOSTOLIC LIKE THAT OF KANT IN GERMANY OF THE EIGHTEENTH CENTURY.

ترجمہ: ''اس بات کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غزالی (رحمۃ اللہ) کا کام بھی فطرتاً ملکوتی تھا جیسا کہ کانٹ نے جرمنی میں اٹھارویں صدی میں ایسی ہی سعی

کی تھی''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ حالات کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہے اس لئے کہ ان کا سینہ نور وحی سے منور تھا جبکہ کانٹ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوسکا اور حالات کا رخ نہ بدل سکا کیونکہ اس کا دل یقین اور CONVICION سے اس درجہ مملو نہیں تھا۔

اٹھارویں صدی کے اختتام تک تجدید علوم کی تحریک آگے بڑھ گئی اور مذہب اور خدا شناسی کے حمائتی جو کچھ کہ وہ یورپ کے اس ماحول میں ہو سکتے تھے، پوری کوششوں کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے لہٰذا ــــــــــــ انیسویں صدی کے آغاز کے بعد وہاں پھر کوئی فکر وفلسفہ کے میدان میں مصلح اور ریفارمر پیدا نہ ہوسکتا۔

فکر وفلسفہ کی سطح پر مزاحمتی سرگرمیوں کے دم توڑ جانے کے بعد تجدید علوم اور نشاۃ ثانیہ کی یہ تحریک بے پناہ مادی ترقی کے جلو میں اپنے اختیار کردہ اصولوں کے مطابق رواں دواں ہوئی تو ایک بگٹٹ گھوڑے کی طرح آگے ہی بڑھتی چلی گئی چنانچہ ــــــــــــ تصور کائنات، انسان کی حقیقت اور آئیڈیل انسانی زندگی کے لئے رہنمائی کے میدان میں ایسے ایسے فلسفے اور تازہ بہ تازہ نت نئے افکار سامنے آئے کہ خدا کی پناہ فکری سطح پر انسان پر ضمیر کی گرفت کا خاتمہ، اخلاقی اصولوں کے بندھنوں کا کھل جانا اور مادی برتری نے مغرب کے انسان کو مادر پدر آزاد بنا کر رکھ دیا

6۔ تجدید علوم کے اثرات، چرچ سے انقطاع اور چرچ اور بادشاہت کے مظالم سے نجات کے احساس کا نشہ اور صنعتی انقلاب کے نتیجے میں انسانی استعمال کی چیزوں کی بھرمار نے مغرب کے عوام وخواص کو حیران کر دیا۔ اور نت نئی ایجادات کے احساس نے مغرب کے اوپر کے طبقات میں ایک ایسا ثقافتی انقلاب پیدا کر دیا جس سے سارے یورپ کی سابقہ اخلاقی اقدار کی عمارت زمین بوس ہوگئی۔ اور فلسفہ کی سطح پر لادینیت اور لامذہبیت کی طرح انسانی اور سماجی سطح پر ــــــــــــ لااخلاقیت نے لے لی۔

7۔ چنانچہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے وسط تک فلسفہ کے میدان میں کئی افکار سامنے آئے اور آناً فاناً پوری دنیا میں جہاں جہاں یورپی اقوام اقتدار میں تھیں آندھی کی طرح چھا گئے یورپی اقوام تو پہلے ہی انہیں اقدار کی علمبردار بن چکی تھیں ــــــــــــ جلد ہی مشرق و

مغرب کی محکوم اقوام میں بھی یہ نظریات سرایت کرتے چلے گئے۔

اگر چہ علمی سطح پر سائنسی تجربہ ایک VERIFIABLE FACT شمار ہوتا ہے جو کہ دنیا کے کسی علاقے میں بھی مخصوص حالات کے تحت آزمایا جا سکتا ہے اور ایک جیسے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں تاہم فلسفہ وفکر کے میدان میں ان ٹھوس حقائق کے ساتھ جو تصور کائنات کی عمارت فلاسفہ مغرب نے بنائی اور اس میں انسان کا مقام متعین کیا تو وہ ان کا اپنا فکر تھا۔ ہوسکتا ہے یہ فکر خالصتہً ان کے قلب وذہن کی پیداوار ہو۔ تاہم اس کا بھی امکان ہے کہ یورپی فکر کے پیچھے جو ماسٹر مائنڈ (MASTERMIND) تھا اور وہ آج بھی ہے اس نے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ان فلاسفہ کو HIRE کیا ہو۔ جنہوں نے مطلوبہ نتائج نکال کر دکھا دیئے۔ قرائن دونوں طرف کے موجود ہیں تاہم فلسفہ کے میدان میں یہ نتائج کبھی حقائق (FACTS) کا درجہ حاصل نہ کر سکے بلکہ نظریات (THEORIES) ہی کا درجہ آج تک ان کو دیا جاتا ہے۔

مغرب کے فلسفہ وفکر کی معراج
انسان ایک کامل حیوان

فکر مغرب کے اجزاء وہ مشہور نظریات ہیں جو بیسویں صدی کے چوتھے عشرے تک سامنے آ کر مغربی معاشرے میں سرایت کر چکے تھے بلکہ معاشرہ زندگی کے ہر میدان میں اپنے آپ ان کے حوالے کر چکا تھا کہیں کوئی مخالفت بیسویں صدی کے آغاز میں موجود تھی بھی تو وہ بیسویں صدی کا نصف حصہ گزرتے گزرتے دم توڑ چکی تھی۔

- ☆ ڈارون کا نظریہ ارتقاء
- ☆ میکڈوگل کا نظریہ جبلت
- ☆ سگمنڈ فرائڈ کا نظریہ جنس
- ☆ کارل مارکس کا نظریہ دولت
- ☆ ایڈلر کا نظریہ حب تفوق

مغربی فکر وفلسفہ کے بڑے بڑے امام ڈارون، میکڈوگل، فرائڈ، ایڈلر، کارل مارکس اور

میکاولی ہیں۔ ڈارون کی طرف ارتقا کا نظریہ منسوب ہے۔ میکڈوگل نے جبلت کا نظریہ پیش کیا ہے۔ فرائڈ اور ایڈلر نے لاشعور کے نظریات پیش کیے ہیں۔ کارل مارکس کی طرف سوشلزم کا نظریہ منسوب ہے۔ اور میکاولی نیشنلزم کی موجودہ شکل کا مبلغ سمجھا جاتا ہے۔

(جدید نظریات کا یہ تعارف اور خلاصہ یہاں ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی کتاب قرآن اور علم جدید سے دیا جارہا ہے)۔

سب سے پہلے ان فلسفیوں کے خیالات اور نظریات سے مختصر سا تعارف کر لیجیے:۔

1۔ڈارون نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ زندگی اپنے ظہور کی ابتداء سے لے کر متواتر ارتقا کرتی رہتی ہے جس سے حیوانات کے مختلف اجسام وجود میں آتے رہے ہیں اور اسی ارتقا کے نتیجہ کے طور پر روئے زمین پر نوع بشر کا ظہور ہوا ہے۔

ڈارون کی تشریح ارتقا

لیکن ڈارون ارتقا کے اسباب کی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ ان کو درست تسلیم کر لینے کے بعد ہمارے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ ہم کائنات کی تخلیق میں کسی قادر مطلق ہستی کے دخل یا عمل کو یا خود کائنات ہی کے کسی مقصد یا مدعا کو ذہن میں لاسکیں۔ اس کا خیال ہے کہ ہر جاندار کی نسل کے افراد کی جسمانی بناوٹ اور شکل وشباہت میں خفیف قسم کی تبدیلیاں کسی نہ کسی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہیں، ایک طویل مدت کے دوران میں ان تبدیلیوں کے جمع ہونے سے ایک نیا جاندار وجود میں آجاتا ہے پھر اگر اس جاندار کی نسل اپنی جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے اس قابل ہو کہ جہد للبقا کے دوران میں اپنے ماحول کی مشکلات کے ساتھ کامیاب مقابلہ کر سکے تو وہ زندہ رہتی ہے ورنہ مٹ جاتی ہے اس طرح صرف وہی نوعِ حیوانات موجود رہتی ہے جو ماحول کے امتحان میں پوری اتر آئے اور جو کشمکش حیات کے فرائض کو ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو۔ پھر اس نوع سے دوسری انواعِ حیوانات پیدا ہوتی ہیں گویا زندگی کا ماحول کشمکش حیات کے ذریعہ سے بقائے اصلح کے اصول پر مختلف انواع حیوانات کو پیدا کرتا ہے اور انہیں ایک قدرتی انتخاب سے زندہ رکھتا ہے اور حیوانات کا ارتقا کسی مقصد اور مدعا کے بغیر حالات زندگی کے تقاضے سے محض اتفاقی طور پر جس سمت میں ہو خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

اس کے نتائج

اس نظریہ کے نتائج یہ ہیں کہ کائنات میں کہیں بھی کوئی سوچی سمجھی ہوئی تجویز کام نہیں کر رہی، قدرت کی طاقتیں اندھادھند اپنا کام کیے جارہی ہیں اور ان کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا کدھر جاتی ہے اور اس کا کیا بنتا ہے، خود حضرت انسان کا وجود بھی اس کی عقل، ضمیر اور محبت کے سمیت ایک اتفاق محض ہے' مذہب، اخلاق، علم، فلسفہ، سیاست اور ہنر سب حیوانی خواہشات اور مدرکات کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہیں۔ ڈارون کے ماننے والوں کے نزدیک انسانی زندگی اور کائنات سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل کا حل ماحول اور حالات اور اتفاقات کی اصطلاحات سے پیدا ہوتا ہے۔

2۔میکڈوگل کا نظریہ جو اس نے اپنی کتاب سوشل سائیکالوجی میں پیش کیا ہے یہ ہے کہ انسان ایک حیوان ہے جس کا کوئی فعل ایسا نہیں جو اس کی کسی نہ کسی جبلت کے منبع سے سرزد نہ ہوتا ہو جب تک انسان کو کوئی جبلت نہ اکسائے وہ نہ کوئی کام کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی کام کے متعلق سوچ سکتا ہے۔

جبلت کیا ہے؟

اور جبلت کیا ہے؟ کسی خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک فطرتی حیاتیاتی دباؤ ہے جس کا سامان قدرت نے جسم اور دماغ کی مادی ساخت میں رکھا ہے اور انسان کے اندر بالکل وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو اس سے نچلے درجہ کے حیوانات کے اندر موجود ہیں بھوک، غصہ، جنسیت، فرار حیوانی یا انسانی جبلتوں کی مثالیں ہیں ہر جبلتی خواہش کے ماتحت جو عمل سرزد ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک خاص جذباتی کیفیت موجود رہتی ہے ہر جبلت ایک اندرونی یا بیرونی تحریک کے ماتحت عمل کرتی ہے جب جبلت کا مخصوص محرک موجود ہو جائے تو ضروری ہے کہ جبلت کا فعل آغاز کر کے اپنی انتہا کو پہنچے پھر جبلی خواہش کی تکمیل اور تشفی انسان کے لئے ایک خاص قسم کی آسودگی اور لذت کا موجب ہوتی ہے۔

انسانی افعال کی قوت محرکہ

''انسان کے افعال کا اصل منبع اس کی جبلتیں ہیں ہر سلسلہ خیالات خواہ وہ کیسا ہی خشک

اور خالی از جذبات نظر آتا ہو کسی نہ کسی جبلت کی قوت محرکہ کی وجہ سے اپنے مقصد کو پہنچتا ہے۔ ایک انتہائی درجہ کے ترقی یافتہ ذہن کی فکری کل کے تمام پرزے مل کر صرف ایک ایسے آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے ذریعے جبلتیں اپنی تسلی اور تشفی حاصل کرتی ہیں ان جبلتی خواہشات کو ان کے زبردست مادی حیاتیاتی پرزوں کے سمیت انسانی دماغ سے خارج کر دیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ جسم انسانی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ کسی قسم کی سرگرمی یا عمل کا اظہار کر سکے وہ قطعاً بے عمل اور بے حرکت ہو جائے گا جیسے کہ ایک عجیب وغریب گھڑی جس کی کمانی الگ کر لی گئی ہو''۔

نفسیات انسانی کے اس حیوانی قسم کے نظریہ کے باوجود بلکہ اس کی وجہ سے میکڈوگل اس زمانہ کے سب سے بڑے ماہرین نفسیات میں سے ایک مانا جاتا ہے اور اس کی کتاب سوشل سائیکالوجی نفسیات کی ایک بہت بڑی کتاب سمجھی جاتی ہے جسے دنیا کی تمام یونیورسٹیوں نے جن میں ہماری پاکستان کی یونیورسٹیاں بھی شامل ہیں نفسیات کے نصاب کے ایک اہم ترین جزو کے طور پر داخل کر رکھا ہے گویا اس کا نظریہ نفسیات انسانی کا ایک صحیح اور معیاری نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

3۔ سگمنڈ فرائڈ کہتا ہے ''کہ شخصیت انسانی یا نفس انسانی صرف وہی نہیں جسے ہم شعور کہتے ہیں اور جس کی مدد سے سوچتے، جانتے اور محسوس کرتے اور گردوپیش کے حالات میں تغیر کرنے کے قابل ہوتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ نفس انسانی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے موجود رہتا ہے''۔

انسانی شخصیت کا بڑا حصہ

یہ حصہ جسے فرائڈ تحت الشعور یا لاشعور کا نام دیتا ہے اس کے خیال میں شخصیت انسانی کا بہت بڑا حصہ بلکہ انسان کی ساری شخصیت یا نفس انسانی یہ لاشعور ہی ہے اور شعور اسی کا ایک جزو ہے جو بیرونی دنیا کا جائزہ لینے کے لئے اوپر ابھر آیا ہے۔

نفس انسانی کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر میں تیرتا ہوا برف کا ایک تودہ جو اپنے ایک نہایت ہی قلیل قریباً دسویں حصہ کے سوا تمام کا تمام سطح سمندر سے نیچے ہوتا ہے بلکہ یہ تشبیہ بھی شعور اور لاشعور کی باہمی نسبت کو واضح کرنے کے لئے کافی نہیں یوں کہنا چاہئے کہ شعور کو لاشعور سے وہی تعلق ہے جو سمندر کی جھاگ کو سمندر سے ہے کیونکہ لاشعور کے تمام مشتملات اور متضمنات یعنی

ہمارے تمام جذبات، محسوسات اور خیالات لاشعور ہی سے آتے ہیں۔

طوفانِ تمنّا

لاشعور میں ایک طوفان تمنا ہر وقت موجزن رہتا ہے اور یہ تمنا ایک زبردست جنسی خواہش ہے جسے ہر عورت اور مرد کا لاشعور غیر متناہی حد تک مطمئن کرنا چاہتا ہے لیکن لاشعور اپنی جنسی خواہشات کو شعور کے ذریعہ سے پوری کر سکتا ہے لہٰذا وہ شعور کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان کی تسکین کا سامان پیدا کرے اگر چہ شعور جو در حقیقت لاشعور ہی کا ایک حصہ اور اسی کی پیداوار ہے لاشعور کی خواہشات کو پورا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تاہم اکثر اوقات انہیں بتمام وکمال پورا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

سماج کی رکاوٹ

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مخالف سمت سے اس پر ایک زبردست دباؤ ہوتا ہے جو اسے خواہشات کی تکمیل سے روکتا ہے یہ مخالف قوت سماج ہے افراد مجبور ہوتے ہیں کہ سماج میں اپنی نیک نامی بحال رکھنے کیلئے اپنی لاشعوری خواہشات کے بہت سے حصہ کو روک دیں لیکن ان خواہشات کو روکنے سے فرد کو ایک بے چینی اور بے قراری لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغی توازن بگڑنے لگتا ہے۔ اکثر اوقات وہ پریشانی، ہیسٹیریا، جنون وغیرہ دماغی امراض میں گرفتار ہو جاتا ہے تاکہ فرد ان امراض سے بچ جائے اور سماج کے روبرو نیک نامی اور نیک چلنی کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکے سماج نے بعض ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں جن کے تتبع سے فرد کی توجہ ان خواہشات سے کسی قدر ہٹ جاتی ہے اور اس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ان امراض سے کسی حد تک محفوظ ہو جائے سماج کے یہ ڈھکوسلے یا مخترعات مذہب، اخلاق، فلسفہ، علم، ہنر وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔

انسان کی پیدائشی بدبختی

مختصراً فرائڈ کے نزدیک انسان ایک مغلوب الشہوات حیوان ہے جسے قدرت نے ذیل کے تین متبادل طریق ہائے کار میں سے ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔

1۔ وہ اپنے لاشعور کی حد درجہ شرم ناک جنسی خواہشات کو پوری آزادی اور بے حیائی سے مطمئن کرے، بے شک سماج اسے بُرا سمجھے گا لیکن اسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ سماج کی پرواہ نہ کرے

2۔ وہ سماج کے خوف سے اپنی طاقت ور جنسی خواہشات کو ہمت سے دبا دے اور پھر تشویش، ہسٹیرا، جنون، خوف اور پریشانی وغیرہ دماغی امراض میں مبتلا ہو جائے۔

3۔ وہ اپنی جنسی خواہشات سے قطع نظر کر کے ان کی بجائے مذہب، اخلاق، علم اور ہنر ایسی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہے۔ اور اس کے ساتھ ہی خوب یاد رکھے کہ ان سرگرمیوں کی حقیقت ایک وہم سے زیادہ نہیں اور دراصل ان کی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کے دکھے ہوئے دل کو مبتلائے فریب کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

فرائڈ کی مقبولیت

فرائڈ کا نظریہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں نصاب تعلیم کا جزو ہے۔ نفسیات جدید کے نام سے اس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور دن رات لکھی جا رہی ہیں۔ اس نظریہ کی اشاعت نے مغرب میں جنسی تعلقات کی ان پابندیوں کو جو مذہب یا سماج نے عائد کر رکھی تھیں بہت ڈھیلا کر دیا ہے وہاں اب یہ خیال عام ہے کہ یہ پابندیاں مضر صحت ہیں دماغی امراض پیدا کرتی ہیں اور ان سے چمٹے رہنا ایک خطرناک قسم کی قدامت پسندی ہے۔

فحاشت

فحاشت خواہ کسی قسم کی ہو اب یورپ میں ایک معمولی ذاتی خواہش کی تسکین کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے جس میں کسی دوسرے کو دخل دینے یا رکاوٹ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں، جنسی خواہشات کی آزادانہ تسکین ایسی ہی ہے جیسے کہ پیاس کے وقت پانی کا ایک گلاس پی لینا خواہ کہیں سے مل جائے اور جس کا امتیازی وصف عریانی ہے

جنسی ادب

جنسی خواہش انسان کی فطرت کا ایک حیاتیاتی تقاضا ہے جسے دبانا یا چھپانا دونوں ناجائز ہیں اس ذہنیت نے مغرب میں ایک بہت بڑا ادبی ذخیرہ پیدا کر دیا ہے جس میں ہر آن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جنسی مذاہب

اسی ذہنیت کے ماتحت یورپ میں بعض ایسے مذاہب پیدا ہو گئے جن کی رو سے عریانی

اور بے حیائی کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً نیچرزم اور نیوڈزم اور اس سے بھی بدتر کئی ازم جن کے ذکر سے قلم بھی شرماتا ہے۔

4۔ایڈلر فرائڈ کے ساتھ مل کر کام کرتا رہا ہے اور اس کا شاگرد ہے تاہم اس نے جذبہ لاشعور کی نوعیت کے بارے میں فرائڈ سے اختلاف کیا ہے۔

لاشعوری جذبہ کی نوعیت

اس کا خیال ہے کہ لاشعور کے اندر جس خواہش کا طوفان موجزن ہے وہ جنسی محبت نہیں بلکہ حب تفوق ہے تاہم وہ فرائڈ کی طرح مذہب، اخلاق، فلسفہ، علم، ہنر اور انسان کی دوسری اعلیٰ سرگرمیوں کا استخفاف کرتا ہے اور ان کو سماج کی مخترعات قرار دیتا ہے اور ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کو فرضی سمجھتا ہے اس کے نزدیک انسان کی زندگی کی ساری تگ و دو کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر غالب کرے۔ بچپن میں جب وہ اپنے والدین اور دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں کمزور اور ناتواں پاتا ہے وہ اس کی نسبت ہر لحاظ سے قوی تر، بہتر اور برتر ہوتے ہیں اور اپنی برتری اور قوت کی وجہ سے اس پر حکمران ہوتے ہیں اور اسے مغلوب اور مقہور رکھتے ہیں۔

احساس کمتری

ادھر یہ کمزوری اور ناتوانی کا احساس اس کے دل میں ایک مستقل جگہ بنا لیتا ہے اور ادھر یہ کوشش شروع کر دیتا ہے کہ اس کمزوری اور ناتوانی سے نجات حاصل کر کے اپنے آپ کو دوسروں پر غالب کر دے اور اس کی ساری زندگی کی تگ و دو اس غلبہ کی جستجو کی صورت اختیار کرتی ہے وہ طاقت، غلبہ اور قوت کس چیز میں ــــــــــــ سمجھتا ہے اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کمی یا کمزوری کی نوعیت کیا ہے اور وہ اپنی کون سی کمی یا کمزوری کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔

گویا اگر فرائڈ انسان کو مغلوب الشہوت حیوان قرار دیتا ہے تو ایڈلر اسے ایک شیطان سمجھتا ہے جسے دوسروں کو مغلوب اور مقہور کرنے کا ایک لاعلاج مرض لاحق ہے۔

5۔کارل مارکس کا خیال ہے کہ دنیا میں نہ خدا ہے نہ روح۔ کائنات کی حقیقت فقط مادہ

ہے جو ارتقاء کرتے کرتے انسان تک پہنچا ہے انسانی مرحلہ پر پہنچنے کے بعد کائنات کے ارتقاء نے انسانی سماج کے اقتصادی یا معاشی حالات ارتقاء کی صورت اختیار کی ہے نفس انسانی فقط مادہ کی ایک خاص ترکیب وترتیب اور ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے انسان مادہ کی بنی ہوئی ایک کل ہے جس کو روٹی، کپڑا، مکان اور دوسری مادی اشیاء کی ضرورت ہے۔

سماج کے اوہام

جب اس کی یہ ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو وہ مذہبی طور پر ان کی کمی پوری کرنے کے لئے خدا، مذہب، فلسفہ، سیاست علم اور ہنر کے ڈھکوسلے یا کھلونے ایجاد کر لیتی ہے اور جب تک اس کی معاشی ضروریات تشنہ رہتی ہیں وہ برابر ان سے اپنے آپ کو فریب دیتی اور اپنے دل کو بہلاتی اور اپنے غم کو غلط کرتی رہتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کا نظام اس طرح سے بنائے کہ اس میں اقتصادی ضروریات کی تکمیل اور تشفی کے سوائے اور کسی چیز کو گنجائش باقی نہ رہے۔ اگر انسان کی زندگی میں اقتصادی ضروریات کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی اقدار کی گنجائش باقی رہے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی اقتصادی ضروریات کی تکمیل اسی نسبت سے ناقص رہے گی۔

تاریخی مادیّت

کارل مارکس نے اپنے فلسفہ کی تائید کے لئے ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے کام لے کر اسے اپنے مقصد کے مطابق ڈھال لیا ہے اس کی مدد سے اس نے ایک نظریہ تاریخ وضع کیا ہے جسے وہ تاریخی مادیات کا نام دیتا ہے ڈارون کا نظریہ تو زندگی کی ابتداء سے لے کر صرف انسان کے ظہور تک کائنات کے ارتقاء کی کیفیت بیان کرتا ہے لیکن انسان کے ظہور میں آنے کے بعد ارتقاء کس طرف ہو رہا ہے؟ کارل مارکس نے اپنے نظریہ تاریخی مادیات کے ذریعہ سے اس سوال کا جواب مہیا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح سے وہ ڈارون کے نظریہ کو آگے لے گیا ہے۔ اس کے نزدیک حیاتیاتی مرحلہ کی طرح انسانی مرحلہ میں بھی ارتقاء کا سبب مکانکی قوتوں کا عمل اور ردعمل ہے تاریخی مادیات کے نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ کائنات ایک عالمگیر سوشلسٹ انقلاب کے طرف حرکت کر رہی ہے وہ شروع سے ترقی کرتا چلا آ رہا ہے جب یہ ترقی کرتے کرتے انسان تک پہنچا تو اس کے ارتقاء نے انسان کے نظام ہائے معاشی کو اپنا راستہ بنایا چنانچہ اس حرکت ارتقاء کی وجہ سے

انسانی سماج کے نظام ہائے معاشی بدلتے رہے ہیں۔

ارتقاء کا نقطہ کمال

اس تغیر کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں ایک سوشلسٹ انقلاب رونما ہوگا جو تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ تاریخی مادیات کا تصور فلسفہ سوشلزم کو بہت مضبوط کر دیتا ہے کیونکہ بظاہر یہ تصور اس سوال کا سب سے پہلا معقول اور مدلل جواب ہے کہ انسانی مرحلہ میں ارتقاء کا رخ کس طرف ہے اس تصور نے فلسفہ سوشلزم کو اس لئے بھی بہت فروغ دیا ہے کہ اس کو ماننے کے بعد ایک شخص مجبور ہو جاتا ہے کہ سوشلزم کے سوائے ہر نظریہ زندگی کے مستقبل سے کلیۃً مایوس ہو جائے اور اسے عارضی، اور لہٰذا ناکارہ اور غلط قرار دے۔

برنارڈ شا، کارل مارکس کے اس نظریہ سے وجد میں آ گیا ہے اور وہ انتہائی عقیدت میں ڈوب کر لکھتا ہے۔

''کارل مارکس کا سر ایک دیوتا کی طرح بلند ہے کیونکہ اس نے سماج کے ارتقاء کا قانون دریافت کر لیا ہے''۔

لیکن برنارڈ شا اور اس جیسے دوسرے لوگ جو مارکس کے عقیدتمند ہیں محض ایک غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ سماج کے ارتقاء کا اصلی صحیح قانون ان کے سامنے موجود نہیں۔

مارکس کا نظریہ

کارل مارکس نے اپنے فلسفہ کو مختصر طور پر یوں بیان کیا ہے:

''میرے سارے غور و فکر کا مرکزی تصور جس سے میں نے تمام دوسرے نتائج اخذ کئے ہیں یہ ہے کہ ایک جماعت کے افراد اپنی اقتصادی ضروریات کی تکمیل کا سامان پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ایک خاص قسم کے معاشی تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ان تعلقات کے ظہور میں ان کی خواہش یا مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور ان کا سارا دارومدار کسب معاش کے ان قدرتی مادی ذرائع پر ہوتا ہے جو کسی خاص وقت پر موجود ہوں۔ ان تعلقات کا مجموعہ جماعت کا معاشی نظام کہلاتا ہے اور یہی نظام وہ اصل بنیاد ہے جس پر سیاست اور قانون کی ساری عمارت کھڑی کی جاتی ہے اور جو خاص قسم سے اجتماعی تصورات کو پیدا کرنے کا موجب ہوتا

ہے گویا مادی ضروریات پیدا کرنے کا طریق انسان کی ساری اجتماعی سیاسی اور روحانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے یہ انسانوں کے نظریات اور تصورات نہیں جو ان کی مادی زندگی کو معین کرتے ہیں بلکہ یہ ان کی مادی زندگی ہے جو ان کے تصورات اور نظریات کو معین کرتی ہے کچھ عرصہ کے بعد ضروریات کی بہم رسانی کے قدرتی ذرائع ترقی کر کے ایک ایسے مرحلہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ افراد کے موجودہ معاشی تعلقات کے ساتھ یا (ایک قانونی طرز بیان کو اختیار کرتے ہوئے) ملکیت کے ان تعلقات کے ساتھ جن میں وہ پہلے عمل کرتے رہے ہیں مزاحم ہونے لگتے ہیں اگر چہ یہ تعلقات خود بھی ذرائع پیداوار کی نشوونما کی ایک خاص شکل کی حیثیت رکھتے ہیں تاہم یہ ان کی نشوونما کے لئے ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں ایسی حالت میں اجتماعی انقلاب کے ایک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ معاشی بنیادوں کے بدلتے ہی ان کے اوپر کی ساری تعمیر (یعنی مذہبی، اخلاقی، روحانی، سیاسی، قانونی اور علمی نظریات وتصورات) بتدریج یا فی الفور بدل جاتی ہے اس تغیر پر غور کرتے ہوئے ہمیں اس مادی تغیر میں جو ضروریات زندگی کی بہم رسانی کے لئے ضروری اقتصادی حالات کے اندر رونما ہوتا ہے (اور جس کا صحیح اندازہ ایسا ہی آسان ہے جیسا کہ قوانین طبعی کے عمل کا اندازہ لگانا) اور اس تغیر میں جو قانونی، سیاسی، مذہبی، ہنری یا علمی تصورات میں مختصر یہ کہ نظریات میں رونما ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے لوگ اس تصادم کا احساس کرتے ہیں اور اسے اپنی جدوجہد سے انجام تک پہنچاتے ہیں فرق کرنا چاہئے جس طرح سے ہم ایک فرد انسانی کی شخصیت کا صحیح اندازہ اس رائے کی بنا پر قائم نہیں کر سکتے جو وہ اپنے بارہ میں رکھتا ہے اسی طرح سے ہم اس قسم کے اجتماعی تغیر کے دور کی ماہیت کا صحیح اندازہ اس کے تصورات اور نظریات سے نہیں لگا سکتے بلکہ ہمیں چاہئے کہ ہم ان تصورات اور نظریات کا سبب مادی زندگی کے اندرونی تضاد میں یعنی اس تصادم میں تلاش کریں جو سامان زندگی کو پیدا کرنے والی اجتماعی قوتوں اور ان معاشی تعلقات کے درمیان جن کے ذریعہ سے سامان زندگی پیدا ہو رہا ہے رونما ہونے کو تیار ہوتا ہے''۔

اینگلز کا اختصار

مارکس کا ساتھی اینگلز جس نے سوشلزم کے فلسفہ کی تعمیر میں مارکس کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے اسی خیال کو زیادہ مختصر اور زیادہ واضح طور پر یوں بیان کرتا ہے۔

''مارکس نے اس سادہ حقیقت کا کھوج لگایا (جو آج تک تصورات اور نظریات کی بالائی نشوونما میں چھپی ہوئی تھی) کہ اس سے پہلے کہ انسان سیاست، علم، ہنر، مذہب وغیرہ میں دلچسپی لے سکے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے خوراک، پانی، کپڑا اور مکان میسر ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے اس سامان کی بہم رسانی جو فوری طور پر ضروری ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک قوم یا ایک دور کی نشوونما کا موجودہ مرحلہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر سیاسی رسم ورواج اور قانونی نظریات اور ہنری بلکہ مذہبی تصورات تعمیر کئے جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اول الذکر کو ایک سبب یا اصل کے طور پر پیش کرنا چاہئے حالانکہ آج تک اول الذکر کی تشریح کے لئے اکثر موخر الذکر کو ایک سبب کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے''۔

سوشلزم کی دلکشی

سوشلزم ایک سیاسی نظریہ کی حیثیت سے کرۂ ارض کے قریباً چوتھائی حصہ پر حکمران ہے اس کے علاوہ دنیا کے ہر ملک میں سوشلسٹ جماعتیں موجود ہیں دنیا کے ہر اسلامی ملک میں اقتصادی انصاف کے مطالبہ کی بنا پر جو انجمنیں وجود میں آتی ہیں وہ سوشلزم سے اپنا رشتہ جوڑ لیتی ہیں کیونکہ سوشلسٹ اپنے مقاصد کی پیش بُرد کے لئے ان کی امداد کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں دنیا کے ہر ملک میں سوشلزم کی حمایت میں ایک ادب وجود میں آ چکا ہے جس کی مقدار بڑھتی جا رہی ہے کسان اور مزدور کے ساتھ ہمدردی اس ادب کا مرکزی موضوع ہوتا ہے ہمارے ملک میں بھی سوشلزم کے مراکز جا بجا موجود ہیں اور وہاں سے ہر قسم کا سوشلسٹ لٹریچر صادر ہوتا رہتا ہے۔

ان نظریات کے فروغ کا حاصل یہ تھا ــــــــــــ کہ

☆ ڈارون نے انسان کو حیوان ثابت کر دیا جس سے لامحالہ طور پر انسان کے اندر یہ احساس ہوا کہ حیوان میں تو لباس نہیں ہوتا آخر ہم نے یہ کیوں ڈال لیا ہے۔

☆ فرائڈ نے انسان کو ایک جنسیت پرست مخلوق قرار دیا تو مزید ایک قدم اٹھا کر یہ احساس معاشرے میں ابھرا کہ حیوان تو جہاں چاہیں اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہیں اور ہم نے کیوں پابندیاں عائد کر رکھی ہیں لہٰذا معاشرہ نے یہ بند از خود توڑ دیئے اور ان پابندیوں سے آزادی کی راہ پر چل نکلا پھر حیوانوں میں تو کوئی شرم وحیا اور رشتوں کا احساس نہیں لہٰذا ہمیں بھی ان احساسات کو

ختم دینا چاہئے۔

☆ میکڈوگل نے انسان کے اندر ایک قوت محرکہ کے طور پر داخلی خواہش حب تفوق (CULGETO DOMINATE) کا فلسفہ پیش کیا کہ ہر انسان دوسروں سے سبقت لے جانے کے جذبے سے سرشار ہے لہٰذا انفرادی سطح پر اس کے اثرات یہ ہوئے کہ معاشرہ پہلے ہی اخلاقی گراوٹ کا شکار تھا اس فلسفے کے تحت آگے بڑھنے اور تفوق کے جذبے کے اظہار نے معاشرے کو غلط رخ پر تیزی سے بڑھانے میں بنیادی کردار ادا کیا اور اجتماعی سطح پر مغربی بالادست اقوام کو یہ احساس ہوا کہ محکوم اقوام میں بھی انتقامی جذبات اور ہماری گرفت سے آزادی کے خیالات جنم لے سکتے ہیں اور واقعتہ آزادی کی تحریکوں کی ابتداء ہو رہی تھی لہٰذا انہوں نے کمزور اقوام کو اور زیادہ دبانے کی کوشش کی ہے۔

کارل مارکس نے انسان کو ایک معاشی حیوان ثابت کرنا چاہا کہ انسان کی معاشی حالت ہی اس کے لئے اخلاقی کردار، مذہب، فلسفہ اور اعتقاد کو متعین کرتی ہے لہٰذا اصل بات انسان کے لئے یہ ہے کہ وہ معاشی طور پر پہلے سب سے زیادہ محنت کرے اور کسی اور بات اور سوچ کو دل سے نکال دے اس فلسفہ سے انسان ایک محنت کش حیوان بن کر رہ گیا۔

نتیجۃً انسان بطور انسان تو مغربی معاشرے میں ختم ہو چکا ہے اس کے بچے کھچے کچھ اثرات گھریلو تربیت اور بچپن کی یادوں کے طور پر کچھ ذہنوں میں باقی تھے ان نظریات کے پرچار سے وہ سارے اثرات جلد ہی ختم ہو گئے اور بیسویں صدی کے چھٹے اور ساتویں عشرے میں مغربی معاشرہ اخلاق سے عاری اور محض حیوانوں اور درندوں کا معاشرہ بن چکا تھا۔

یہ میکڈوگل کے نظریہ کے منطقی نتائج ہیں کہ مغربی معاشرہ حیوانیت بلکہ درندگی میں ہی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہے جو اہل علم مغرب کی در پردہ تہذیب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مغرب کا انسان حیوانوں سے بدتر ہو چکا ہے اور ''حیوان کامل'' REAL BEAST یا THE BEAST کے مقام پر پہنچنے کے قریب ہے۔

URGE TO DOMINATE کا ہی اثر ہوتا ہے کہ منطقی طور پر کوئی ایک گروہ اور پھر ایک شخص ابھرے گا جو درندگی میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا چاہئے اور یہ اس فکر مغرب کا نقطہ

عروج ہوگا۔

تجدید علوم کے بعد پروان چڑھنے والے مغربی افکار کے زیر اثر
اقوام مغرب کا ''مثالی معاشرہ''
سیرت و کردار ــــــــــ خدوخال

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے کے اختتام تک سارے مغربی افکار سامنے آ چکے تھے اور مغربی معاشرہ ان افکار میں ڈوب کر ان کا رنگ اختیار کر چکا تھا ــــــــــ یا بالفاظ دیگر یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ خدا بیزاری اور خدا ناشناسی کے اصول، آسمانی ہدایت کے بندھنوں سے آزادی اور اخلاقی ضوابط کی حد درجہ تخفیف کے باعث اباحیت پرستی کی بے نور مشعلوں کے زیر اثر جو ''مثالی معاشرہ'' بانیانِ فکر مغرب نے انسانیت کو تحفہ میں دیا اس کے خدوخال پر تو علامہ اقبال نے 80 سال قبل یہ تبصرہ کیا ہے۔

بے کاریٔ و عریانیٔ و مے خواریٔ و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

تاہم ــــــــــ بیسویں صدی میں درجہ بدرجہ یہ مغربی معاشرہ جن مراحل سے گزرا ہے وہ مختصراً ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

مغرب کا اخلاقی زوال ــــــــــ قدم بہ قدم

آپ دیکھیں گے کہ جدید دور کی چکا چوند اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چمک دمک کے باوجود انسان اخلاقی طور پر ہندوستان اور یونان کے دور کے ''حیوانی معاشرہ'' کی سطح پر سے بھی کہیں نیچے گر گیا ہے، سو یا پچاس سال پہلے مغرب میں جسم کے ساتھ روح کے ماننے والے یا اخلاق و کردار کے علمبردار یا آسمانی وحی کا اثبات کرنے والے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا پرچار کرنے والے آپ کو مل جائیں گے مگر اب وہاں شاذ و نادر ہی ایسا کوئی ذی روح مل سکتا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے مغرب کی یہ گراوٹ اور زوال کیسے ممکن ہوا؟ آیئے بیسویں صدی کے چند چیدہ چیدہ اہم واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں جس سے آپ پر بھی آج کے مغرب کے انسان کی 'باطنی

کیفیت، روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائے گی۔

1۔ کیمرہ اور اس کی تصاویر انیسویں صدی کے وسط تک مغرب میں عام ہو چکے تھے تاہم تصاویر کو واقعات کی شکل دینا (متحرک تصاویر یا فلم) شدید انسانی خواہش تھی جس کے لئے مسلسل محنت اور تجربات کے بعد تصویروں کو حرکت دے کر تیزی سے چلانے کا تجربہ کامیاب رہا اس سے انسانی آنکھ پر حقیقی انسانی زندگی کا تصور ابھرتا تھا۔

2۔ 1892ء میں اس کی عملی شکل یہ سامنے آئی کہ سینما ایجاد ہوا سینما سکرین، فلمیں، سینما گھر، سٹوڈیوز، فلم ایکٹرز (اور ایکٹریسز) اور اس سے متعلق سارے لوازمات تیزی سے پھیلتے چلے گئے اگلے دس سالوں میں سینما امریکہ اور یورپ سے نکل کر ہندوستان تک پہنچ گیا۔

3۔ شروع میں یہ فلمیں گونگی (SILENT) ہوتی تھیں ساتھ تحریر لکھی جاتی تھی جس سے مفہوم تک رسائی ہوتی تھی۔

4۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں آواز کے ساتھ فلمیں آنا شروع ہوگئیں گویا فلمی دنیا اور سینما میں جان پیدا ہوگئی اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگیا۔ اس سے گانا بجانا، فن موسیقی وغیرہ نے عروج پکڑا اور یہ ایک عالمی تہذیب وثقافت کا آغاز ہوگیا اہل فکر ونظر نے اندازہ لگایا کہ ایک صدی میں یہ لازماً اس سائنسی ترقی کے ذریعے ساری دنیا پر اپنی پسند کی ایک تہذیب وثقافت کی بالادستی قائم کی جاسکتی ہے۔

5۔ اسی دوران میں ریڈیو ایجاد ہوگیا گویا روزمرہ حالات کی خبریں مشرق ومغرب میں پھیلنا شروع ہوگئیں اور یوں زمین فاصلے کم ہوتے محسوس ہونے لگے۔

6۔ ٹیلی وژن کی ایجاد نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا اور آواز کے ساتھ تصویر کی نمائش انسانی خواہش نے عملی جامہ پہنا اور ٹی وی نشریات کا آغاز ہوگیا۔

7۔ سفر کے میدان میں 1904ء میں پہلی کامیاب پرواز کے بعد امریکہ میں 1925-1930ء کے قریب کمرشل پروازوں کا آغاز ہوگیا جس سے زمین سکڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور عالمی تہذیب کے علمبرداروں کے مقاصد کی کامیابی نگاہوں کے سامنے آگئی۔

8۔ ایک مخصوص عالمی گروہ نے ان سب ایجادات کو کچھ خاص مقاصد کے لئے استعمال

کرنے اور عام انسان کو صرف پیٹ اور جنس کی تسکین تک محدود کرنے کی تگ دو میں تیزی سے کامیابیاں حاصل کیں۔ان ایجادات سے ملٹی نیشنلز کمپنیوں کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔

9۔ مغرب میں اخلاقی زوال کی بنیادیں تو بہت پرانی ہیں اور یونانی فلسفہ کی ترویج سے اس کے ڈانڈے ملتے ہیں یورپ یقیناً ساتویں صدی عیسوی میں ہی اس دور جاہلیت (DARK AGES) سے نکل آتا مگر قیصر روم کے 628ء میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خط کو پہچاننے کے باوجود قبول نہ کرنے کے فیصلہ نے پورے یورپ (اور امریکہ) کو اگلے ہزار سال کے لئے قعر مذلت میں دھکیل دیا تا آنکہ سقوط غرناطہ کے بعد یورپ میں علم وہنر کی روشنی مسلمانوں کے ذریعے پہنچی ،اس علمی محرومی اور اخلاقی تہی دامانی کی وجہ سے عیسائی مغرب میں اخلاق کے معیارات کا ریکارڈ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

(i) اس پر مستزاد یہ کہ انیسویں صدی میں انسان کے بارے میں ڈارون کے فلسفہ ارتقا کا نظریہ بڑی منصوبہ بندی سے عام کیا گیا کہ انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔اس فلسفہ کے ذہن میں اتر جانے سے اخلاقی زوال کے اگلے مراحل یکسر آسان ہوگئے اور حق کے مقابلہ میں باطل کی راہ دلفریب تو تھی ہی آسان بھی ہوگئی۔

(ii) بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں سگمنڈ فرائڈ کے نظریات جب سامنے آئے تو بس جیسے پٹرول کو دیا سلائی دکھائی جائے تو آن واحد میں آگ لگ جاتی ہے اسی طرح ڈارون تھیوری سے متاثر مغرب کے لئے فرائڈ کے نظریات نے دیا سلائی کا کام کیا اور امریکہ (بشمول مغرب) عملاً حیوان بن گیا۔

رہی سہی کسر منصوبہ بندی سے کام کر کے اس کو عام کرنے اور کمرشلزم (ہر کام میں انسانوں کا استحصال مالی فوائد حاصل کرنا) نے پوری کر دی سینما ہو یا ٹی وی ریڈیو ہو یا اخبار کتاب ہو یا رسالہ ہر چیز میں یہی نظریہ عام کرنے کی دوڑ لگ گئی اور انسان اس کا شکار ہو کر رہ گیا۔

10۔ بیسوی صدی کی چوتھی دہائی میں امریکہ میں رنگین ٹی وی آچکا تھا جس سے گھر بیٹھے حقیقی مناظر کا لطف اٹھایا جاسکتا تھا۔ایک امریکی جریدہ (LIFE) نے اسی دوران ایک اشاعت میں

گھریلو زندگی کی عریاں تصاویر کو فروغ دیا اور اپنے رسالے میں مفت چھاپنے کا بندوبست کر دیا۔

11۔ مغرب کی سردی اور دھوپ کی کمی سے وہاں ایک خاص مزاج ہے کہ گرمیوں میں ساحل سمندر پر بے لباسی کی حالت میں دھوپ تاپنا ایک ضرورت تھی اس کا (TOURISM) کی شکل دے کر خوب فروغ دیا گیا۔

12۔ ساحل سمندر پر نہانے کا لباس سال کے دوران ایک مختصر مدت میں استعمال ہوتا تھا اس کو (SWIMMING POOLS) اور (LUXURY HOTELS) کے کلچر کے ذریعے عام کر دیا گیا اور بے لباسی، عریانی کو مغرب کا شعار بنا دیا گیا۔

13۔ معاشرت اور فن تعمیرات میں ملحقہ غسل خانہ (ATTACHED BATHROOM) کے تصور اور ایئر کنڈیشنر کی ایجاد سے بے لباسی کو فروغ ملا (یاد رہے کہ امریکہ میں AC اور فریج 1920 کے لگ بھگ ترقی پذیر تھا) اس پر مغربی معاشرت کے مفکروں نے (DOUBLE BED) کا تصور دیا جس سے بچپن سے ہی معصوم ذہنوں میں جنسی اختلاط اور جنسی جذبات کے فروغ اور انگیخت کو شہ ملی اور قریبی رشتوں کے تقدس کو پامال کر دیا گیا۔

14۔ فرائڈ کے نظریات کے عام ہونے سے کمرشلزم کو ایک نیا فیلڈ مل گیا۔1930 کی دہائی میں امریکہ (اور غالباً یورپ میں بھی) گھر گھر سروے کرایا گیا جس سے بے حیائی اور عریانیت کو فروغ دینا تھا جس سے ہر گھر میں مردوں کے کام پر چلے جانے کے بعد خواتین سے 'بے حیائی کو فروغ دینے' والے سوال پوچھے جاتے تھے اور 'راز داری' کا وعدہ کر کے غیر شعوری طور پر بے حیائی پر اکسایا جاتا تھا۔ (ایک سوال مثلاً یہ تھا کہ تم نے کبھی پڑوسی مرد سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی؟ جواب ہاں میں ہو یا ناں میں آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے ایک بے حیائی کا راستہ کھل گیا۔ یاد رہے کہ ایک جاننے والے نے بتایا کہ اسی طرح کا سروے پاکستان کے بھی کچھ مخصوص علاقوں میں گزشتہ چند سالوں سے جاری ہے۔

15۔ عریانیت کے میدان میں تیراکی کے لباس کی مقبولیت، عریاں تصویریں، مقابلے، ماڈلنگ کا آغاز، نائٹ کلب اور کلر ٹی وی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اگلے اقدام کے طور پر انسانی پوشیدہ اعضاء سے متعلق اعداد و شمار (STATISTICS) جمع کرنے کا آغاز ہوا۔ جس کی پہلی

رپورٹ (KINSEY REPORT) پانچویں دہائی میں عام ہوئی جس سے ضبط تولید اور اس کے متعلق سامان کی تیاری میں رکاوٹیں صاف ہوگئیں۔

16۔ فرائڈ کے انہی نظریات کے عام ہونے اور اکنامکس کے فروغ آبادی کے اصولوں کو ملا کر تجارت کے لئے (BIRTH CONTROL) سے متعلق سامان کی تیاری کا دروازہ کھول دیا گیا۔ چنانچہ 1950ء کے عشرے کے آغاز تک امریکہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے تمام طریقے عام ہو چکے تھے پاکستان میں یہ امریکی عنایات دور ایوبی میں ساٹھ کے عشرے میں وارد ہوئیں۔

17۔ فلم انڈسٹری کے فروغ کلر سینما سکوپ کلر ٹی وی میوزک پاپ کلچر، فلم انڈسٹری، تجارت میں اشتہارات کا فن اور اس میں ماڈل مردوں اور عورتوں کو استعمال کرنے کے ماہرین نے مغرب میں بے حیائی کا طوفان برپا کر دیا۔ (جیسے آج کل ہمارے ہاں ہے) اس ساری منصوبہ بندی کا اثر یہ ہوا کہ ہر معاشرہ میں جہاں پہلے اساتذہ، پروفیسرز اور اہل علم حضرات کے ساتھ مذہبی پیشوؤں کی قدر ہوتی تھی اور ان کی تقلید کا جذبہ تھا وہ کمزور ہونا شروع ہو گیا پہلے گویوں، بینڈ باجے والوں اور آلات موسیقی بنانے والے حضرات کو عام طور پر کوئی اعلیٰ مقام نہیں ملتا تھا جبکہ مغرب میں چھوٹی سکرین اور بڑی سکرین کی بے پناہ مقبولیت کے باعث یہ لوگ اب فنکار اور معاشرے کے سب سے معزز اور VIP'S شمار ہونے لگے ان کا شمار مشہور زمانہ لوگوں (CELEBERITIES) میں ہونے لگا اور ان میں ایک طبقہ مالی اعتبار سے بھی بہت سے تاجروں سے بھی زیادہ خوشحال ہو گیا اس طرح کھیلوں کے میدان میں کھیلاڑیوں کے سکرین پر ہر وقت EXPOSURE کی وجہ سے ان کی عوامی سطح پر مقبولیت کا گراف بہت اونچا چلا گیا اب عوام میں فلمی ہیروز، فلم سٹارز اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کی نقل میں ان کا سا لباس، رہن سہن، انداز گفتگو اور LIFESTYLE (بالوں کا انداز، ہیر کلر، میک اپ کا سامان، ٹی شرٹ، جین وغیرہ کا استعمال سمیت ہر ادا) کی نقل عام ہو گئی جس سے عوام میں مذہبی راہنماؤں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نمونہ ہدایت کے ستارے ہونے کا رجحان کم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ TV STARS FILMSTARS اور CRICKET STARS نے لے لی ہے چنانچہ اس طبقہ کی عمومی بے راہ روی اور آزاد خیالی اور مذہب بیزاری

کے ذریعے عوام میں ان نظریات کا سیلاب آ گیا ہے۔

18۔ ساٹھ کا عشرہ ختم ہونے پر مغربی منصوبہ ساز ذہن یہ باور کر چکا تھا کہ اب موقع ہے کہ معاشرے کو مذہب ،خدا اور آخرت کے تصورات سے پاک کر دیا جائے اس کیلئے ضمیر CONSCIENCE اور اخلاق کی کسک TO BE GUILTY CONSCIENCE رکاوٹ تھی چنانچہ تعلیمی میدان میں وہ اصلاحات ہوئیں (جو آج کل ہمارے ہاں امریکی خرچ پر مفت کتابیں دے کر کی جا رہیں ہیں)۔جس کی رو سے نئی نسل میں اخلاق کی بنیادیں ختم کر دی جائیں اور انسان کو حیوان کامل بنا دیا جائے ہر طرح سے مذہب بیزار بنا دیا جائے چنانچہ MORALLESS اور VALUELESS سوسائٹی کے قیام کا منصوبہ بنا اور اسی کے ماتحت تعلیمی نصاب تشکیل دے کر تعلیمی اداروں میں نافذ کر دیا گیا۔اس سے خالص سیکولر تعلیم کا آغاز ہوا جس کا منشاء یہ کہ انسان کے اندر سے مذہب کی گرفت کو ختم کر دیا جائے اور اباحیت کا نظریہ (ہر چیز جائز ہے مذہبی اصطلاحات جائز/ناجائز حلال حرام بے معنی ہیں) عام کر دیا جائے۔

19۔ ٹیپ ریکارڈر، ویڈیو ریکارڈر نے بھی مہمیز کا کام دیا ڈش اینٹینا اور چھوٹے ریڈیو نے میوزک کلچر کو گلی گلی پہنچا دیا بعد ازاں کمپیوٹر انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی کو فروغ حاصل ہوا اور سب سے آخر میں CABLE NETWORK کے ذریعے انتہائی سستے داموں گھر گھر عریانی، فحاشی، ناچ، میوزک اور لا ابالی پن کے متحرک تصویری مناظر کی نمائش کے جال پھیلا دیے گئے۔

آج کا مغرب ماضی کی تہذیبوں کے مقابلے میں اخلاقی اعتبار سے کہیں زیادہ گراوٹ کا شکار ہے اور کتابوں میں نصف صدی پہلے جو نظریات درج ہیں ان کو نظر انداز کر کے عملاً ان کی تہذیب و ثقافت جو نقشہ پیش کر رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج مغرب کا انسان بس ایک 'حیوان' ہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بڑی عمر کے لوگ (پچاس سال کے لگ بھگ) جانتے ہیں کہ پہلے سکولوں، کالجوں کی کتابوں اور کاپیوں کا انداز (GET UP) بڑا معقول، شریفانہ اور اخلاقی تعلیمات سے مزین ہوتا تھا۔اعلیٰ معیار کی کاپیوں (NOTE BOOKS) پر بھی عام طور پر اعلیٰ علمی مقولے (CAPTIONS) یا رباعیات (STANZAS) درج ہوتے تھے (جن میں دو انگریزی رباعیات بطور نمونہ اس شمارے میں پیش خدمت ہیں) اس کے برعکس آج کی کاپیاں

بالعموم اس قسم کی کسی اخلاقی تعلیمات سے تہی دامن ہیں بلکہ منفی اثرات کی حامل عبارت کی تشہیر کا ذریعہ ہیں بچوں کے عام استعمال کی چیزیں اور کھانے کی چیزوں کی پیکنگ تک میں فلمی ستاروں اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کے لچر انداز والی تصویریں اور عریانیت کی حامل عبارات درج ہوتی ہیں۔ اس سے اندازہ کرلیں اگر ہمارے ہاں یہ حال ہے تو مغرب جو ہم سے بہت آگے ہے وہ کہاں کھڑا ہوگا۔

گویا آج کی مغربی تہذیب وثقافت بھی ایک خوفناک موڑ (TURN) پر ہے جہاں سے تباہی کے ایک گہرے غار یا گمنامی کے ایک BLACKHOLE کی طرف بڑھ رہی ہے جہاں سب کچھ تباہ ہوجائے گا ـــــــــــ رہے نام اللہ کا فاعتبروا یا اولی الابصار

آج کے مغربی معاشرے کے دورُخ یا پہلو ہیں ایک اس کا نگاہوں کو خیرہ کرنے والا ظاہر ہے جسے علامہ اقبال نے DAZZLING EXTERIOR کہا تھا اور ایک اس کا باطن اور INTERIOR ہے یہ باطن سائنسی طرزِ فکر اور ٹھوس تجرباتی علوم ہیں۔ مغربی افکار کی بنیاد میں یہ پہلو خالص اسلامی اور قرآنی (QURANIC) ہے۔

آج کی دنیا میں ''علم'' کے نام سے منظرِ عام پر جو مواد موجود ہے اور جس سے ترقی پذیر اقوام مرعوب ہیں اس کی مثال معلومات کے ایک بہت بڑے ڈھیر HEAP OF INFORMATION کی سی ہے جس میں ہر طرح کی معلومات شامل ہیں خیر بھی ہے شر بھی ہے، نیکی بھی ہے بدی بھی ہے، کارآمد معلومات بھی ہیں اور 'شرما' دینے والی حیا سوز معلومات بھی 'غرض ہر طرح کا رطب ویابس موجود ہے۔ لیکن اس میں سے کام کی معلومات نکالنا بہت مشکل ہے اس لیے کہ جدید دور میں کمپیوٹر کی ایجاد سے علم ہر انسان کی دسترس میں آچکا ہے اور اپنے مطالعہ کی میز پر بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی معلومات اور دنیا بھر کے انسائیکلوپیڈیاز سے استفادہ کرسکتا ہے ، دنیا بھر کی لائبریریوں میں جاسکتا ہے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کے بارے میں ہر طرح کی معلومات حاصل کرسکتا ہے۔

لیکن ـــــــــــ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ایک مافیا اور MASTER MIND در پردہ اس سب کے پیچھے ہے جو انسان کو اپنی مرضی کی راہ پر لے جانا چاہتا ہے اور اسی طرح بے راہ روی کی طرف لے کر جانا چاہتا ہے۔

لہٰذا آپ کمپیوٹر پر کوئی انفارمیشن لینا چاہیں تو عریانی، فحاشی، بے حیائی کے مناظر از خود پہلے ہی انسان کا دامن پکڑ لیتے ہیں اور انسان اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے تو اپنے مطلوب و مقصود کے حصول کی بجائے انسان دوسری قسم کی معلومات میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور بہت دیر بعد ہوش آتی ہے کہ میں کہاں چلا تھا اور کہاں پہنچ گیا۔

نتیجہ کے طور پر ——— یہ ساری علم کی فراوانی ——— علم کی خدمت کم اور مغربی اقوام کے پس پردہ عوامل کی خواہشات کی تکمیل زیادہ ہے اور کمپوٹر پر بیٹھنے والا انسان فائدہ کم حاصل کرتا ہے اور اپنا اور اپنی سوچ کا نقصان زیادہ کر لیتا ہے۔

محاورہ مابین خدا و انسان

خدا

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولادِ آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہالِ چمن را قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

انسان

توشبِ آفریدی چراغ آفریدم　　سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان وکہسار وراغ آفریدی　　خیابان وگلزار وباغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم　　من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

حالیہ مغربی علم (مغربی فلسفہ) کی تباہ کاریوں کی بنیادی وجہ

اور ــــــــــــ اس کا علاج

اس سے پہلے کہ ہم اقوام مغرب کے پروردہ علوم کی تباہ کاریوں کا علاج سامنے لائیں اس سلسلے میں تاریخ انسانی پر ایک نگاہ بازگشت ڈال لینا مسئلے کو سمجھنے اور اس کے حل کی تلاش کے لئے نہایت مفید ہوگا۔

1۔ انسانیت کی تاریخ پہلے انسان اور پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں خلیفہ کہہ کر بہت اعلیٰ مقام دے دیا ہے۔ احسن تقویم پر پیدا اسی لئے کیا گیا کہ اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کا منصب جلیلہ عطا ہونا ہے۔ اس منصب جلیلہ کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم الاشیاء کے علاوہ وحی اور آسمانی ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلہ نبوت و رسالت شروع ہوا اور مسلسل چلا آیا ہے۔ تا آنکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔

2۔ پہلے دنیا کے مختلف حصوں میں پیغمبر علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور اپنے اپنے

علاقوں میں انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ یہ آسمانی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کا پیغام انفرادی زندگی سے متعلق بھی تھا اور اجتماعی زندگی سے متعلق بھی۔

3۔ دنیا میں پہلی تہذیب دجلہ وفرات کے دوابے میں اٹھی اور اپنے دور میں عروج کو پہنچ گئی اس میں بہت سی اجتماعی خرابیاں پیدا ہوئیں تو اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے مگر قوم ایمان نہیں لائی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام پر دست درازی کی کوشش کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیج دیا اہل ایمان کو بچا لیا اور اللہ کی بندگی نہ کرنے والے ظالموں، لٹیروں، غاصبوں اور بے حیائیوں کے مرتکب سرداروں اور ان کے حامی عوام کو غرق کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تقریباً 5500 سال ق م کا ہے۔

4۔ یوں تو دنیا میں ہر قوم اور ہر بستی میں نبی آیا تاہم ان کی قابل اعتماد تاریخ میسر نہیں ہے قرآن مجید میں صرف ان پیغمبروں کے اسمائے گرامی ہیں جو معروف ہیں اور عرب کے آس پاس کے علاقوں میں تشریف لائے تھے۔ جہاں بالآخر قرآن مجید اترنا تھا کہ لوگوں کو بات سمجھائی جا سکے۔ دور دراز کے علاقوں کے پیغمبروں کا تذکرہ کر کے ان پر بلاوجہ ذہنی بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

5۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ھود علیہ السلام یمن میں 4000 ق م، حضرت صالح علیہ السلام مدائن صالح 3000 ق م اور حضرت ابراھیم علیہ السلام 2000 ق م میں عراق میں پیدا ہوئے جہاں نمرود بادشاہ عرصے سے حکمران چلے آ رہے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام 1900 ق م اردن بحیرہ مردار کے پاس، حضرت شعیب علیہ السلام مدائن (اردن) میں تشریف لائے۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام 1300 ق م مصر میں فرعون بادشاہوں میں سے ایک کے پاس بھیجے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی اور دوبارہ فلسطین کے طرف نکالا بالآخر 1000 ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام اور اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار حکومتیں قائم ہوئیں۔ جو دراصل خلافت یا آسمانی بادشاہتیں تھیں۔

6۔ اس کے بعد بنی اسرائیل پر زوال آیا ہے پھر بھی یکے بعد دیگرے پیغمبر تشریف لاتے رہے اور انسانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ بنی اسرائیل دوبارہ عراق میں غلام بنا لئے گئے تھے وہاں سے ایران کے ایک خدا ترس بادشاہ ذوالقرنین نے نجات دلائی۔ بیت المقدس آباد ہو گیا مگر

پھر جلد ہی دوبارہ نافرمانیوں کی طرف لوٹ گئے تو دوبارہ زوال سے دوچار کر دیئے گئے۔

بالآخر بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھیجا مگر بنی اسرائیل نے انکار کر دیا بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے بعد ازاں 600 سال کے وقفے کے بعد حضرت محمد ﷺ نے قرآن مجید دنیا کو پہنچایا یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے نام آخری پیغام تھا اور یوں حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول تھے اور ان کی وفات پر آسمانی ہدایت کا سلسلہ بند ہو گیا

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامات لاتے رہے (تورات، زبور، انجیل، اور قرآن مجید وہ ایک ہی سلسلہ ہدایت کی کڑیاں تھیں ان میں جو MASSAGE تھا وہ انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی راہنمائی تھی بالخصوص چند گوشوں میں جہاں انسان اپنے طور پر اعتدال کی راہ خود متعین نہیں کر سکتا۔ حیرت کی بات ہے کہ 600 سال قم کا دور ہو یا حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار آسمانی بادشاہت کا، خلافت راشدہ کا دور مسعود ہو یا آج کے کسی مثالی فلاحی جمہوری ریاست کا ماڈل اللہ تعالیٰ کے ان MASSAGES کو نظر انداز کر کے کامیابی کا حصول ناممکن ہے اس لئے کہ انسان افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر اعتدال کی راہ پر کاربند نہیں رہ سکتا اور صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف چلا جاتا ہے۔

آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے

i۔ کھانے پینے کی اشیاء میں انسانوں کے لئے کیا جائز (PERMISSIBLE) اور کیا ناجائز (NOT PERMISSIBLE) ہے کھانے پینے کی ممنوعہ چیزوں پر عام طور پر (POISON) تحریر ہوتا ہے تو ناجائز اشیاء در اصل انسان کے لئے روحانی طور پر POSSION ہی ہیں مذہبی اصطلاح میں انہیں حلال اور حرام کہا جاتا ہے۔

ii۔ انسانی لباس کا تعین مرد اور عورت کے لئے کم سے کم لباس، عورت کے لئے گھر کا اور گھر سے باہر کا لباس، اجنبی مردوں عورتوں کے میل جول SOCIAL INTERACTION کے اصول

iii۔ عورت اور مرد کے معاشرتی حقوق، عورت کا دائرہ کار اور مرد کا دائرہ کار، عورت اور مرد کے حقوق و فرائض۔

iv۔ سرمایہ اور محنت کا جائز اختلاط، منافع میں سرمایہ اور محنت کا حصہ اور مزدور اور سرمایہ دار

کے حقوق وفرائض۔

v۔ ریاست اور فرد کے حقوق وفرائض کے مابین قابل عمل حد اعتدلال کا تعین

iv۔ قانون سازی کے بارے میں آسمانی وحی کی حتمیت اور اس کے تابع مباحات کے میدان میں قانون سازی کی آزادی۔

7۔ انسانیت کی تاریخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیاں ایک روشن باب ہیں اور ان کے زیر اثر افراد کے سیرت و کردار اور ان کی کامیابیاں بھی درخشاں مثالیں ہیں ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار عظیم بادشاہتیں ہیں جو آئندہ بادشاہتوں کے قیام کے لئے مثال اور آئیڈیل تھا اور ROLE MODLE تھا تمام انسانوں کے لئے ۔تا آنکہ حضرت محمد ﷺ نے آکر عوامی (POPULAR) خلافت اور آسمانی ہدایت کے تابع رہ کر زندگی گزارنے والے اہل ایمان کی خلافت کا پیغام دیا ہے۔

8۔ تاریخ انسانی کا المیہ یہ ہے کہ ایک شیطانی گروہ جو بظاہر انبیاء کرام علیہم السلام کا پیروکار بھی تھا مگر در پردہ شیطان کا پرستار تھا کہیں 1400 ق م کے آس پاس پیدا ہو چکا تھا۔اور اس نے ہر موقع کو اپنے حق استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت کو ایک طرف رکھ کر انسانوں کے خودساختہ بلکہ شیطان صفت لوگوں کے بنائے ہوئے ضابطوں پر عمل پیرا رہا ہے۔

اس مخصوص گروہ نے آسمانی ہدایت کو ختم کرنے اور قانون سازی اور رہنمائی کے سارے اختیارات خود سنبھالنے کے لئے نبیوں کے بلا جواز قتل کا سلسلہ شروع کر دیا۔تا کہ آسمانی ہدایت کا سلسلہ عملاً جاری نہ رہ سکے حتیٰ کہ اس گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی اپنے طور پر سولی چڑھانے کی کوشش کی تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔اسی طرح اس گروہ نے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر بھی قاتلانہ حملے کرائے دیگر جتن کئے تا کہ وہ قتل ہو جائیں یا ان کی لائی ہوء ہدایت نہ پھیل سکے اور نہ اس کے تابع خلافت کا نظام قائم ہو سکے تاہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون ۔(اور اللہ اپنے نور (ہدایت) کو مکمل کر کے رہے گا چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ 61-8) کے مصداق حضرت محمد ﷺ نے عرب میں اسلام غالب کر دیا بعد ازاں خلافت راشدہ قائم ہوئی۔

9۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چند صدیاں قبل یہ سلسلہ قتل انبیاء علیہم السلام شروع ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ مصنوعی انقطاع ہدایت خداوندی بن گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دعوت کا دور صرف تین سال کا مختصر عرصہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے دیباچہ کے طور پر چھ صدیوں کا انقطاع وحی کر دیا (آغاز وحی حضرت محمد ﷺ 610ء) اس طرح تقریباً ایک ہزار سال کا یہ عرصہ عملاً انقطاع وحی کا دور ہے۔

اس دوران ایران اور روم کی دو عظیم سلطنتیں پروان چڑھیں اور آسمان ہدایت سے محرومی کے باعث ظلم و تعدی لوٹ گھسوٹ، عوام کے حقوق پر ڈاکہ، بدمعاشی، بدکاری اور شراب کا دور دورہ رہا۔ عدل و انصاف کے ضابطے تھے مگر صرف اشرافیہ (ELITE CLASS) کے لئے عوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک ہوتا تھا بلکہ اس سے بھی بدتر لوہے کے پنجروں میں بند رکھنا انسانوں کو جنگلی درندوں سے چیرنے پھاڑنے کے مناظر دیکھنا یہ اس دور میں عام تھا اور بالخصوص رومی سلطنت اس طرح کے مظالم میں ایرانی سلطنت سے بہت آگے تھی۔

10۔ انسانی سوچ پر پہرے نہیں ہیں مگر انسان معتدل اور صحت مند ذہن کے ساتھ اور عدل انصاف پاکیزگی، شرافت اور انسانی عفت و عصمت کی حفاظت کے اصولوں کو سامنے رکھ کر مزید غور و فکر کرے اور اس کی تنفیذ کے لئے عقل سے رہنمائی چاہے تو یہ عقل آج بھی انسان کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ لیکن ــــــــــ نیت بری ہو اور منصوبہ بھی شیطانی ہو ــــــــــ کہ برائی کا فروغ کیسے کیا جائے شراب، جواء، بدکاری کے عام کرنے کے طریقے کیا ہوں۔ اس کے راستے کی رکاوٹیں کون کون سی ہیں اور انہیں دور کیسے کیا جائے۔ کن کن لوگوں کو اس سلسلے میں استعمال کیا جائے اور کیسے استعمال کیا جائے تو عقل اسی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اس سوچ کو پروان چڑھانے کے لئے بھی عقل رہنمائی کرتی ہے۔ مگر اس کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہے جب ہدایت خداوندی کا چرچا ہو اور لوگ دین پر عامل ہوں تو اس سوچ کے حامل افراد اس منصوبے کو مناسب وقت کے لئے ملتوی کرنا ہی مناسب خیال کریں گے اور اگر دین سے دوری کے آثار ہوں معاشرہ روبہ زوال ہو، آسمانی ہدایت سے اعراض ہو، خدا بیزاری اور خدا ناشناسی کا عام چرچا ہو تو ایسے لوگ ماحول کو سازگار بنائیں گے اور منصوبے کے آغاز کے لئے

ہمت کرلیں گے۔

11۔ تاریخ انسانی میں بعض فلاسفہ نے ایسے گمراہ کن نظریات پیش کئے جو انسانی فطرت، عقل، منطق، وجدان اور ضمیر سب کے خلاف تھے ان فلسفوں کا فروغ اور پھیلاؤ کیسے ممکن ہوا آیئے ــــــــــــ ذرا غور فرمایئے۔

تاریخ فلاسفہ پر نظر ڈالیں۔ مشہور زمانہ فلسفیوں کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات کو دیکھیں ان کے زمانے کا اندازہ لگائیں تو TIME LINE OF PHILOSOPHIES میں آپ کو 600 ق م سے لے کر 600 بعد مسیح علیہ السلام تک فلاسفہ کا ایک جم غفیر ہے جو یونان ،ایران سرزمین ہند میں مصروف کار نظر آتا ہے اور ان کے انسان دشمن اور سماج دشمن خیالات فروغ پاتے نظر آتے ہیں۔

یہ زمانہ بعینہ وہی زمانہ ہے جو مصنوعی انقطاع وحی سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ کے بعد کی چھ صدیاں ہیں۔ گویا آسمانی ہدایت کا نور سامنے نہ رہا تو مخصوص گروہ کے لوگوں کو اپنا وہ کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا جس کے وہ انتظار میں تھے اور جو کھیل آسمانی وحی کے فروغ کے دور میں نہیں کھیلا جا سکتا تھا۔

مشہور زمانہ معروف فلسفی ارسطو، سقراط، بقراط، افلاطون وغیرہ یونان میں مانی اور مزدک ایران میں چانکیہ وغیرہ ہند میں اسی دور میں نمایاں ہوئے اور ان کے فلسفے منصۂ شہود پر آئے

12۔ ان انسان دشمن، عقل دشمن، سماج دشمن اور خلاف ضمیر و دل فلسفوں کا منصۂ شہود پر آنا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے اور یہ فلسفے اپنے اپنے دور کے معاشروں کی ذہنی اور فکری کیفیت کی غمازی کر رہے ہیں۔ یہاں تک بات رہتی تو گندی سوچ کے مظاہر ہونے کے باوجود ایک فطری قدرتی تاریخی بہاؤ کا ایک عام مگر اہم واقعہ شمار ہوتے۔

تاہم ــــــــــــ ستم کی بات یہ ہے کہ یہ فلسفے دنیا میں آئے اور پھیلے مگر ایک مدت کے بعد لوگ انہیں بھول چکے تھے اسلام کے آنے کے بعد تو ان کا تذکرہ صرف کتابوں میں ہی رہ گیا تھا۔

افسوس ــــــــــــ مخصوص گروہ نے مغربی افکار کے ابتدائی دور میں تجدید علوم

کے نام سے جو اصلاح کی چرچ مذہب، بادشاہت وغیرہ سے اعلان بیزاری کیا اخلاق، اقدار، خدا، وحی، پیغمبر، آسمانی ہدایت سے بھی بیزاری ان کے ذہن میں تھی اگرچہ وہ ظاہراً خاموش رہے خدا اور مذہب کا علی الاعلان انکار نہیں کیا ــــــــــ بلکہ نہ انکار نہ اقرار ــــــــــ عملاً نتیجہ انکار کے قریب ہو گیا۔ اس مخصوص گروہ نے جب علوم کو آگے بڑھایا اور مذہب اور روحانیت کے علمبرداروں کی مزاحمت کے بعد اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوئے تو انہیں اپنے لئے فکری بنیادیں تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئی اور ماضی سے رشتے جوڑنے کا احساس ہوا اور دوسرے یہ کہ جب مغربی اقوام کے تسلط نے ایک استعماری قوت کا روپ دھارا اور وسیع علاقے زیر حکومت آ گئے تو اپنے لئے اور اپنے محکوم لوگوں کے لئے قانون اور اصول حکمرانی کی ضرورت پڑی ــــــــــ تو ایک اہم سوال یہ اٹھا کہ اب کیا کیا جائے۔

چنانچہ ــــــــــ تاریخ انسانی کا ایک بہت بڑا سانحہ اور المیہ یہ ہوا کہ ــــــــــ اس مخصوص گروہ نے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی صدیاں پہلے سے تیاری کر رہا تھا نبیوں کے قتل اور حضرت عیسٰی علیہ کے بعد چھ صدیاں مخصوص فلسفوں کی پرورش پرداخت میں لگائے تھے پھر عیسائیت کے پہلے ہی دور عروج میں سلطنت روم نے اپنا قانون اور اصول حکمرانی عیسائیت کے نام سے جاری رکھا اس لئے کہ عیسائیت اور یہودیت کے باہمی خلفشار کے بعد عیسائیت کے پاس LAW اور قانون تو تھا ہی نہیں۔

اس مخصوص استحصالی گروہ نے ــــــــــ تجدید علوم کے بعد بے خدا سائنس اور بے خدا علوم کو سہارا دینے کے لئے:

☆ فکری سطح پر یونان کا فلسفہ یعنی ارسطو اور افلاطون کے افکار سینے سے لگا لئے اور قانون اور اصول حکمرانی کی سطح پر عیسائیت کے عروج اوّل کے دور کی ترامیم کو بھی نکال کر پرانے ظالمانہ اور حد درجہ انسان دشمن اور سماج دشمن قوانین (ROMAN LAW) کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔

13۔ چنانچہ ــــــــــ آج کے مغربی علوم کی گہما گہمی اور وسعت کے باوجود ان کی بنیاد میں موجود انسان دشمنی اور سماج دشمنی کے افکار ظاہر ہو کر انسان کو حیوان ہی نہیں درندہ بنا چکے ہیں۔ اور یہی وہ کینسر ہے جو دور حاضر کے مغربی علوم کو بری طرح متاثر کر گیا ہے اور ان کی افادیت

کے پہلو کو بھی گہنا چکا ہے۔ اور اب اس سے کسی خیر کی بجائے گندگی اور تعفن ہی پھیل رہا ہے اور سسکتی ہوئی انسانیت بچاؤ بچاؤ کی صدا بلند کر رہی ہے۔

کرنے کا ایک ہی کام

مغربی علوم کی حقیقت سے آگاہی کے بعد کہ تجدید علوم کے نام پر ایک گروہ نے انسانی فکر و عمل کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام وحی آسمانی (REVEALED KNOWLEDGE) سے کاٹ کر یونان کے بے ہودہ فلسفہ اور روم کے انسان دشمن ظالمانہ اور حد درجہ جابرانہ قانون اور انداز حکمرانی کے تحت کر دیا جس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں کرنے کا کام ایک ہی ہے کہ ازسرنو ــــــــــــ پیچھے کی طرف جایا جائے اور جدید علوم کے تجرباتی حصے کو علیحدہ کر کے اس کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام اور آسمانی وحی سے دوبارہ جوڑ دیا جائے جہاں سے یہ رشتہ کاٹا گیا تھا۔

اس ٹوٹے ہوئے تعلق کے بحال ہوتے ہی انسان کو باطنی سکون میسر آئے گا اور دنیا آخری پیغمبر ﷺ کے رحمۃ للعالمینی کے سائے میں آ جائے گی جہاں سکون، امن اور عدل انصاف ہوگا۔ اور یہ علوم انبیاء علیہم السلام کیا ہیں ہر باضمیر انسان کے دل کی آواز ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

؎ بنی اندر دل علوم انبیاء ــــ بے کتاب و بے معید اوستا

نسخۂ علاج

پوری تاریخ کے تناظر میں جب مرض واضح ہو گیا غلطی کے ارتکاب کا زمانہ اور ماحول کا تعین ہو گیا غلطی کی نوعیت بھی سامنے آ گئی تو ــــــــــــ اب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو علاج بھی زیادہ مشکل نہیں رہے گا۔

1۔ سادہ ترین اور مختصر ترین الفاظ میں علاج یہ ہے کہ مغربی علوم کو مسلمان کر دیا جائے اور مخصوص گروہ جس کو شیطانی گروہ کہنا زیادہ صحیح ہے اور ابلیس پرستی اس کا پیشہ ہے اس کو علیحدہ کرنے کے لئے ان علوم کو قرآن مجید کے تابع کرنے کا عزم کیا جائے یہ کام مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں بقول اقبال

؎ کشتن ابلیس کارے مشکل است ــــ زانکہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی ــــ کشتہ شمشیر قرآنش کنی

ترجمہ: ''ابلیس کو جان سے مار دینا مشکل کام ہے کیونکہ وہ دل کی گہرائی میں پوشیدہ ہے،
خوش نصیب وہ ہے جو اسے مسلمان کر دے، قرآنی تلوار کے ذریعے اسے مات دیدے''

2۔ علاج کے اس نسخہ کے اختصار کو کھولا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر کے مغربی علوم میں بے ہودگی، فحاشی، عریانیت، اباحیت پرستی، بے حیائی کے خاتمے کے لئے دور انقطاع وحی کے فلسفوں کے پڑھانے کو ترک کر کے ان کی جگہ ان علوم اور افکار کا رشتہ وحی آسمانی اور علوم انبیاء کرام علیہم السلام سے جوڑا جائے اور آج سے 2500 سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل قتل انبیاء کرام علیہم السلام سے جو اندھیرا چھایا تھا اور غلط افکار پھیلے تھے جن کو عہد حاضر کے تجدید علوم کے علم برداروں نے اپنی ذاتی اغراض اور مخصوص مقاصد کے لئے اپنے سینے سے لگایا تھا ان کو کاٹ پھینکا جائے اور رومن لاء (ROMAN LAW) اور رومن انداز حکمرانی کو یکسر علمی اور عملی زندگی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور اکیسویں صدی میں ایک جدید احیائے علوم کی تحریک چلائی جائے جس کا بنیادی پتھر فکری سطح پر وحی ربانی اور علمی سطح پر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات بالخصوص آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو۔ علوم کو دوبارہ اس انداز میں مرتب کرنا کہ اس میں خدا کا تصور سمویا ہوا ہو اور جو خدا شناسی، خدا کی محبت اور عشق الٰہی کے جذبات سے سرشار ہو اس طرح دور حاضر کے علوم کا تجرباتی اور ٹھوس حصہ جو سائنسی طریق پر حاصل شدہ معلومات کا خزانہ ہے جس میں سوشل سائنسز بھی شامل ہیں اور جسے علامہ اقبال نے INNERCORE کہا ہے کے ساتھ خدا رسول ﷺ وحی قرآن انسانی عظمت روح اور وجدان کے تصورات شامل کر کے تجدید ثانی کی جائے تا کہ سائنسی علوم جنہیں ایک شیطانی اور ابلیسی گروہ نے HI-JACK کر کے یرغمال بنا رکھا تھا۔ غاصبانہ قبضہ کر کے چار صدیوں سے انسانیت کا خون چوس رہا ہے اور جس نے انسانوں میں رنگ و نسل جنس اور پیشہ اور حیثیت کا فرق ڈال کر آپس میں لڑایا اور ذلیل کیا ہے اس گروہ سے ان علوم کو آزاد کرا کے صحیح رخ پر پروان چڑھنے کا موقع دیا جائے۔ اگر اہل علم و دانش کا ایک قابل لحاظ گروہ جو عشق الٰہی عشق رسول ﷺ عشق قرآن اور اتباع رسول ﷺ کے ساتھ انقلاب کا داعیہ رکھنے والے بھی ہوں میدان عمل میں کود پڑیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہی علوم جلد ہی فصل بہار کی آمد پر خزاں رسیدہ درختوں پر آناً فاناً پتے اگ آنے کی طرح موجودہ بے کیف و بدمزہ ملحدانہ افکار کی جگہ علم

دوست انسان دوست خدا دوست افکار وعلوم کی تازہ فصل بہار نگاہوں کے سامنے لاسکیں۔اور اس طرح ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہی ایسے نوجوان نکلیں گے جنہیں IDEALOGY OF THE FUTURE کے طور پر اسلام کا نام یاد ہوگا اور جو عالمی خلافت کے قیام کے لئے ہر اول دستہ ثابت ہونگے۔

علوم ملحدانہ ہوں تو مردہ علوم ہیں انسانیت کے دشمن ہوں اور انسانوں کو حیوان بنانے والے ہوں تو بے جان علوم ہیں اور یہی علوم خدا شناس، وحی شناس، نبوت شناس اور روح شناس بن جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ روح انسانی کے ساتھ ساتھ انسانی بدن کی حقیقی صحت کے ضامن بھی بن سکیں۔جس دنیا میں صحیح معاشرہ، صحیح اجتماعیت، اور صحیح حکومتیں قائم ہوں گی جہاں حکمران خلفائے راشدین کی طرح ''سیدالقوم خادمہم'' کا نقشہ پیش کرنے لگیں گے اور لوٹ کھسوٹ رشوت کا دور ختم ہوجائے گا تو زیادہ مشکل نہیں کہ ساری دنیا اسی طرز فکر اور طرز بود و باش کو اپنا کر ایک جھنڈے تلے جمع ہوجائے اور چشم تصور سے دیکھئے اس وقت کتنی آسودگی سیر چشمی عدل وانصاف ہوگا کوئی بھوکا نہیں سوئے گا روٹی کپڑا امکان علاج معالجہ تعلیم ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔یہ قابل عمل ہے اور شاید آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ اس عظیم کام کے لئے وسائل کہاں سے آئیں گے۔تو ذرا ــــــــــ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر ساری انسانیت خدا شناسی کے جذبے سے سرشار ہوکر عدل وانصاف کی علمبردار بن کر ایک جھنڈے تلے جمع ہوجائے تو ــــــــــ آج دنیا کے تمام ممالک کا جو دفاعی بجٹ ہے سارے کا سارا انسانی بہبود انسانی فلاح اور وسائل رزق کی فراہمی میں لگ جائے گا تو کتنی جلدی کتنے بے پناہ وسائل مختصر مدت میں فراہم ہوسکتے ہیں۔ جذبہ پیدا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ مدد کرنے کو تیار ہے کمی ہماری طرف سے ہے۔

؎ اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

فکر مغرب کے پس پردہ ایک ذہن

(مافیا، ماسٹر مائینڈ یا استحصالی گروہ) یہ لوگ کون ہیں؟

اس شمارے میں بار ہا مغربی فکر کے فروغ کے لئے ایک ماسٹر مائینڈ (MASTER

(MIND کا ذکر آیا ہے اس لئے کہ فکر مغرب کے عروج نے جس طرح ایک خط مستقیم میں اوپر کی طرف ترقی کی ہے اور مسلسل کامیابیاں حاصل کی ہیں نیز اس فکر سے غریب، ترقی پذیر اقوام کا جس طرح منظّم انداز میں استحصال کیا گیا ہے اور مسلسل ہو رہا ہے اور آئندہ بھی جاری رہنے کے امکانات ہیں یہ سب کچھ ایک منظّم گروہ کے ذہن فکری تسلسل اور چابک دستی اور زیرکی کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا باور کیا جاتا ہے کہ مغربی علوم کی حالیہ ترقی کے پیچھے ضرور کوئی استحصالی گروہ کارفرما ہے جو اس سارے ترقی کے کھیل کو اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے مسلسل استعمال کر رہا ہے

یہ گروہ کون لوگ ہیں اس کے بارے میں اختلاف ہوسکتا ہے ایک رائے یہ ہے کہ یہ گروہ ''یہودی لابی'' ہے جس کی تعداد دنیا کی 6500 ملین آبادی میں ضرف 15 ملین ہے اور جو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے گزشتہ 2500 سال سے سرگرم عمل ہے۔ یہ لوگ جو بھی ہیں شیطان صفت ہیں اور ابلیس پرستی ان کا شیوہ ہے۔ دین دشمنی ان کا طریقہ کار ہے دنیا بھر کے وسائل پر قبضہ اور ایک لمبے عرصے تک پوری دنیا پر بلاشرکت غیرے حکومت ان کا مقصد وحید ہے۔

آپ ــــــــــ اس گروہ کو کس حد تک پہچانتے ہیں غور فرمایئے کہیں آپ اس کے بارے میں نرم گوشہ تو اپنے دل میں نہیں رکھتے اگر نہیں پہنچانتے ــــــــــ تو آئندہ اس کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ آنکھیں کھول کر رکھیں، کان کھلی رکھیں اور قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے پر کمربستہ ہوجائیں۔

حرفِ آخر

علم بالحواس اور علم بالعقل کا جو تذکرہ گذشتہ صفحات میں آیا ہے وہ علم ایسا ہے کہ انسان کو بحیثیت انسان عطا فرمایا گیا ہے اور اس میں مسلم یا غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں جو محنت کرے گا پالے گا اور اپنے نظریات ترتیب دے کر دنیاوی ترقی کرے گا اور دنیا میں اپنی تہذیب وتمدن کا ڈنکہ بجائے گا قرآن مجید میں حضرت انسان کی رہنمائی کے لئے ایک دوسرے علم کا بھی تذکرہ ہے وہ علم ــــــــــ علم بالقلب ہے اور اس علم کی تفصیل اس کی شاخیں اس کی حفاظت واشاعت کے معاملات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب ﷺ کے ساتھ منسلک ہیں۔ علم بالحواس اور عقل کی مادر پدر آزادروش کے باعث اس کی تباہ کاریاں ہمارے سامنے ہیں کہ انسان حیوان ہی

نہیں درندہ بن چکا ہے اور ابھی درندگی میں مسابقت کی دوڑ جاری ہے س علم کو مادر پدر آزادی کی روش سے ہٹا کر علم بالقلب کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت ہے جس سے اس میں اخلاق، کردار، عفت، عصمت، شرافت، امانت، دیانت، شجاعت جیسے اوصاف پیدا ہوں گے۔ یہ کام اتنا بڑا کام ہے کہ اسے امام غزالی رحمہ اللہ کے احیاء العلوم کی تحریک اور مغربی تجدید علوم کی ملحدانہ تحریک کے بعد اب تاریخ انسانی کی تیسری علمی تحریک کا نام دیا جاسکتا ہے کہ:

انسانی علم کی موجودہ مشترکہ متاع کا تنقیدی جائزہ لے کر اس میں سے یونانی فلسفہ اور رومی ظلم و جبر کے اصول نکال دیئے جائیں اور اس کی جگہ علم وحی، سیرت انبیاء و رسل علیہم السلام حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انداز حکمرانی اور خلافت راشدہ جو علوم انبیاء کی

وارث بنی' کے قانون اور انداز حکمرانی کو داخل کر دیا جائے یہ موضوع بذات خود طوالت اور تفصیل کا متقاضی ہے لہٰذا اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان شاء اللہ 2009 کے اوائل میں ہی ایک خصوصی اشاعت ''دور حاضر میں احیاء العلوم کی ضرورت'' کے نام سے موسوم ہوگی جس میں وحی، قرآن، حدیث، علوم انبیاء کے ساتھ اعلیٰ انسانی صلاحیتیں وجدان، الہام کشف، کرامت اور معجزات جیسے موضوعات پر اپنی بساط کے مطابق گفتگو کریں گے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَانَقُوْلُ وَکِیْل وَ الْمُسْتَعَانُ

(بقیہ صفحہ) بقیہ حصہ از حرف آخر)

زندگی اور علم

ملك خدا بخش

زندگی بسر کرنے کے لیے بھی سلیقہ اور ہنر کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں صرف علم ہی کام نہیں آتا بلکہ بصیرت اور عمل کام آتے ہیں یعنی اپنی ذات، اپنے نصب العین، اپنی صلاحیتِ کار کا مکمل شعور حاصل کر کے زندگی بھر محنت، ثابت قدمی اور استقلال سے کام لینا چاہیے جسے اقبال سوزِ جگر کا نام دیتے ہیں ؎

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے ، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، لذت بھی ہے، قدرت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

گبن نے کہا تھا کہ ہر شخص دو قسم کی تعلیم رکھتا ہے: ایک تو وہ تعلیم ہے جسے وہ دوسرے سے حاصل کرتا ہے اور دوسری تعلیم وہ ہے جس میں وہ خود اپنا استاد بنتا ہے زندگی کے تجربات سے سبق لینا اور صحیح نتیجہ اخذ کرنا اسی دوسری تعلیم کے ضمن میں آتا ہے جسے بعض لوگ حکمت کا نام دیتے ہیں اور حکمت کی ضرورت انسان کو عمر بھر رہتی ہے۔

اسلام اسی حکمت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو علم کے ساتھ عمل کی ترغیب دیتا ہے اور حُسنِ

عمل سے، حسن شائستگی اور حُسن تمدن پیدا کرنا چاہتا ہے یہ حُسن ڈرائنگ روم کی تزئین وآرائش، تنگ اور چست لباس، کالر کی سختی، ٹائی کی گرہ کی خوشنمائی، بے سلوٹ کوٹ اور چمکدار نوکدار جوتوں سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حیاداری، لحاظ داری، وضع داری، شرافت، قناعت، بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار، صلہ رحمی، ایثار وقربانی، متانت، استقامت، ہمدردی اور غمگساری سے پیدا ہوتا ہے۔

معاشرہ میں تعلیم وتربیت کی اہمیت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَالُ اَقْوَامٍ لَایُفَقِّهُوْنَ جِیْرَانَهُمْ وَلَایُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَایَعِظُوْنَهُمْ وَلَایَأْمُرُوْنَهُمْ وَلَایَنْهَوْنَهُمْ وَمَابَالُ اَقْوَامٍ لَایَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِیْرَانِهِمْ وَلَایَتَفَقَّهُوْنَ وَلَایَتَّعِظُوْنَ وَاللّٰهِ لَیُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِیْرَانَهُمْ وَیُفَقِّهُوْنَهُمْ وَیَعِظُوْنَهُمْ وَیَأْمُرُوْنَهُمْ وَیَنْهَوْنَهُمْ وَلَیَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِّنْ جِیْرَانِهِمْ وَیَتَفَقَّهُوْنَ وَیَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَأُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِی الدُّنْیَا

(رواہ ابن راہویہ والبخاری فی الوحدان وابن السکن وابن مندۃ)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک دن (اپنے خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: کیا ہوگیا ہے؟ ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا (جنہیں اللہ نے علم وتفقہ کی دولت سے نوازا، اور ان کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں) وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، نہ ان کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں اور کیا ہوگیا ہے؟ ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے، نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ نصیحت (کے ذریعے ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید کریں اور برے کاموں سے منع

کریں اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہیے کہ وہ خود طالب بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم وفہم حاصل کریں اور ان سے نصیحت لیں ۔ یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا'' (از معارف الحدیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر علاقہ کے لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں' اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور وعظ نصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت واصلاح کا رابطہ رکھیں اگر رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور رسول اللہ ﷺ سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ امت میں تعلیم وتعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے گی۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَقِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ فَاَوْصَانِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

''میں نے (اپنے استاد) حضرت وقیع سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے نافرمانی ترک کرنے کی وصیت فرمائی؛ کیونکہ علم نور الٰہی ہے اور یہ نور نافرمان کو عطا نہیں کیا جاتا''۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَتْ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

(درحقیقت) سارا علم قرآن میں موجود ہے لیکن لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں

علم

ایک نور

ہے

اور

علم کی کمی

یا

علم کے حصول

سے

گریز

جہالت ہے

جو

سراسر ظلمت

ہے